مئی
2021ء

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝٥ (القمر 54)

ملک میں
گھروں پر تراویح کے
یقینی اہتمام کا FRIENDLY ماحول
دینے کے لیے کم ازکم رمضان کے آخری عشرے
میں 8:30 سے 10:00 رات
ٹی وی / پیمرا نشریات کو بند
رکھا جائے۔

ہماری درخواست
ہے کہ سرکاری / غیر سرکاری سطح
پر 14 راگست کے علاوہ 27 رمضان
کو بھی اپنا یومِ آزادی منایا جائے۔
قمری اعتبار سے 76 واں
یومِ آزادی مبارک

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

قارئین کرام
کو
عید الفطر
مبارک ہو

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 15
شمارہ : 05
رمضان/شوال 1442ھ
مئی : 2021ء

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ۲۷ سورۃ القمر)

ISSN : 2305-6231

ماهنامه

حکمتِ بالغہ

جهنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت
ڈاکٹر طالب حسین سیال
پروفیسر خلیل الرحمٰن
حاجی محمد منظور انور
انجینئر عبد اللہ اسماعیل

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن
انتظامی امور: ملک نذر حسین

قانونی مشاورت
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون بیس ہزار روپے یکمشت	سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 800 روپے	معمول کا شمارہ 50 روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر
پاکستان پوسٹ کوڈ 35200
047-7630861-0336-6778561

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی
طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		5
حرفِ آرزو	3	انجینئر مختار فاروقی	6
عصرِ حاضر کے دھندلکوں میں قرآن وسنت کا انقلابی زاویہ نظر (3)	4	کرنل (ر) انجینئر اشفاق احمد	13
اسلامی نظامِ معیشت کی خوبیاں اور......	5	مولانا محمد انور چیمہ	28
مسلم فن تعمیر، تصورِ تخلیق، اور تصور جمال	6	ترجمہ: ناصر فاروق	35
وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر	7	انجینئر عبداللہ اسماعیل	42
عورت کی تعلیم۔ حدود و قیود	8	عامرہ احسان	50
ماہِ رمضان المبارک کے تقاضے اور ہم......	9	محمد منظور انور	55
رسید تحائف	10		59
تبصرہ و تعارف کتب	11		61
جاہل بڑھیا (حکایت مولانا روم)	12		64

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

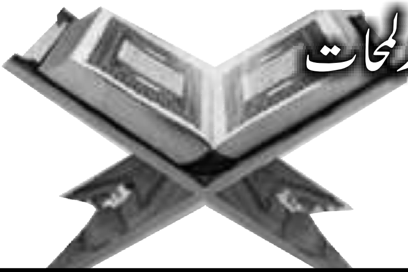

(02)	اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ	آیات
سورۃ البقرۃ	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	144-142

سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰٮهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡهَا

اب احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے

چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے

قُلۡ لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ

آپ کہہ دیجیے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے

یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۴۲﴾

وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے

وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا

اور اسی طرح ہم نے تم (مسلمانوں) کو اُمّتِ وَسَط بنایا ہے

لِّتَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَهِیۡدًا

تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزماں ﷺ) تم پر گواہ بنیں

وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡهَآ

اور جس قبلے پر آپ (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ

اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡہِ
معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تابع رہتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے
وَ اِنۡ کَانَتۡ لَکَبِیۡرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ
اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی
مگر جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے)
وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَکُمۡ
اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یونہی کھو دے
اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۳﴾
اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحبِ رحمت ہے
قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡہِکَ فِی السَّمَآءِ
(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں
فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَۃً تَرۡضٰہَا
سو ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف منہ کرنے کا حکم دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہو
فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ
تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو
وَ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ شَطۡرَہٗ
اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کرلیا کرو
وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ
اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ
(نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے
وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾
اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيم

قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

1

يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ

ماہِ رمضان کے آخری عشرے میں جس قدر محنت کرتے تھے

اس کے علاوہ اوقات میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے

2

اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ، أَحْيَا اللَّيْلَ،

وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ، وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ

جب ماہِ رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر جاگتے تھے

اور اپنے اہل خانہ کو بھی جگاتے اور محنت کرتے اور تہہ بند کو مضبوط کر لیتے تھے

3

يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

وَكَانَ يَقُولُ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے

اور فرماتے تھے کہ لیلۃ القدر کو ماہِ رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو

(مسلم)

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات

؎ زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

حرفِ آرزُو

انجینئر مختار فاروقی

1

پرنس فلپ (جون 1921ء تا اپریل 2021ء)۔۔۔۔ خدا کے حضور میں

میاں محمد بخش جہلمی رحمۃ اللہ علیہ صحیح فرما گئے ہیں کہ

ع دشمن مرن تے خوشی نہ کریے، سجناں وی مرجاناں

کسی کی موت پر خوشی کا اظہار تو نہیں کیا جا سکتا یہ سوچ ہی قابل مذمت ہے، مگر تاریخی حقائق کچھ اس طرح ہیں، جن کا تذکرہ یہاں ضروری ہے:-

- پرنس فلپ نے تقریباً سو سال کی عمر پائی ہے۔ اس دوران میں پہلے برطانوی عالمی استعمار، پھر USSR اور اب امریکہ اپنے NATO اتحادیوں سمیت جنوبی ایشیا سے نکالے جانے کی حد تک کے حالات تک جا پہنچا ہے۔
- 1757ء میں جنوبی ایشیا میں بنگال میں نواب سراج الدولہ کو شکست سے دوچار کرنے والی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہی تھی جس نے لندن سے آئے تجارتی مال پر مغل حکومت کی ٹیکس معافی کی آڑ میں اسلحہ کے انبار لگائے، چھاؤنیاں بنائیں اور مغلوں ہی کے نمائندے سراج الدولہ سے لڑ کر بنگال پر قبضہ کر لیا (مغرب کی لغت میں شاید کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے یہی معنی درج ہیں)۔

EIC کا یہ منحوس اقتدار حکومتِ برطانیہ سے ہی متعلق ہے جس نے بنگال پر قبضے کے

لیے پیر پھیلائے اور مئی 1799ء میں ٹیپو سلطان کو شہید کر کے ریاست میسور پر قبضہ کرلیا۔ پھر سازشوں کا جال بچھا کر مغل حکومت کے خلاف ملک گیر مہم کے لیے منظّم اقدامات کیے اور 1803ء میں دہلی کے تخت پر بھی سازشی انداز میں قبضہ کرلیا۔ قابل افسوس بات ہے کہ ہندو تاجر نے اس منحوس مہم جوئی میں EIC کا بھرپور ساتھ دیا۔

◐ اسی EIC نے جنوبی ایشیا مسلمانوں سے اقتدار چھین کر مسلمانوں ہی کو برباد کرنے اور ان کی آنے والی نسلوں کے ذہن کو تبدیل کرنے کے لیے ایک خدا بیزار، وحی دشمن، اخلاق دشمن اور انسان دشمن نظامِ تعلیم جاری کیا تاکہ وہ اپنے اقتدار کو ابدی بنا سکیں۔ چنانچہ ایک برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل (1872ء-1971ء) کے مطابق انیسویں صدی کے آخر میں ہر برطانوی یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں برطانوی اقتدار کبھی ختم نہیں ہوگا۔

◐ اسی EIC کے خلاف 1857ء میں مسلمانوں نے آزادی کی کوشش کی جو ناکام ہوئی اس کے نتیجے میں مسلمانوں پر وہ تباہی آئی کہ الامان والحفیظ۔ ہمارے مغربی یورپی سرپرست محکوم ممالک کو اپنے سکولوں میں اس تباہی کا تذکرہ شامل کرنے کی آج بھی اجازت نہیں دیتے۔

◐ 1860ء میں جنوبی ایشیا کے مسلمان EIC کمپنی نے برطانوی حکومت کو بیچ دیے۔ برطانوی نشریاتی ادارے BBC کے 2015ء کے ایک اندازے کے مطابق EIC نے جنوبی ایشیا سے مسلم اقتدار کو ختم کر کے 1857ء تک 3000 ارب ڈالر کی رقم لوٹ کر برطانیہ کو ماڈرن بنا دیا۔ (www.bbc.com/urdu/regional-45164919) (کاش کوئی مسلمان عالمی سطح کا وکیل برطانیہ کے خلاف اس رقم کا مطالبہ کر سکے)۔

◐ 1860ء کے بعد عالمی صہیونی مغربی برطانوی منحوس استعمار نے پنجے جمائے اور 1947ء تک یہاں رہا۔ اس دوران مسلمانوں نے اس منحوس اقتدار سے گلوخلاصی کی کوششیں کی جو علامہ اقبال کے خطبہ الٰہ آباد اور 1940ء کی قرارداد لاہور سے ہوکر 1947ء میں قیامِ پاکستان پر منتج ہوئیں۔

◐ آزادی کی اس تحریک میں لاکھوں کروڑوں لوگوں نے حصہ لیا جس میں علماءِ دین، طلباء اسلامی مدارس، تاجر، مغربی نظامِ تعلیم کے طلباء، اساتذہ، کسان، مزدور، عوام، مرد و خواتین،

نوجوان، بوڑھے، بچے غرض ہر شعبۂ زندگی کے مسلمان نے حصہ لیا اور قربانیاں دیں۔ ہندو تو انگریز کی آمد پر تجارتی مراعات لے کر اور مغربی مصنوعات کو عام کر کے خوشحال تھا اور انگریزوں کی منحوس آمد کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتا تھا اور درپردہ انگریز کا حامی تھا اور مسلمانوں کو دبانے اور ان سے انتقامی جذبات کے ساتھ نپٹنے کی تیاری کر رہا تھا جو ذہن 1947ء کے نصف صدی بعد اُبھر کر اب بھارت پر حکمران ہے۔

◐ شہزادہ فلپ، اللہ کے حضور پہنچ کر جو بھی سوال و جواب اور برطانوی چیرہ دستوں اور مسلم کشی اور مسلم دشمنی کے اقدامات کا جواب دے رہا ہوگا وہ اپنی جگہ ہمیں اس شہزادہ فلپ کی موت سے اپنی موت بھی یاد آئی وہ برطانوی منحوس اقتدار جس نے 1757ء۔1947ء تک جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو غلام بنائے رکھا اور خود فرعون بن کر حکمران رہا اور وہ تمام فرعونی کام کیے جو فراعنہ مصر بنی اسرائیل کو غلام بنا کر صدیوں کرتے رہے۔

◐ شہزادہ فلپ اس منحوس برطانوی اقتدار کا ایک اہم مہرہ تھا وہ گزشتہ ایک صدی کے واقعات کا گواہ تھا جو اس دنیا سے رخصت ہوا۔

◐ بیسویں صدی کی ابتدائی دو عشروں سے آج تک کے 100 سال (یعنی 3.15ارب سیکنڈ) تاریخ انسان کے لیے بہت اہم ہیں۔ ان 100 سو سالوں (3.15ارب سیکنڈوں) میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی بیداری نے منحوس عالمی صہیونی برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کی اور آج دنیا کا کیا نقشہ ہے وہ صرف اور صرف جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی بیداری اور اسلام سے وابستگی کی داستان ہے۔ ہمارے نزدیک جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے گذشتہ سو سالوں (صرف 3.15ارب سیکنڈوں) میں تین مغربی، عالمی، صہیونی طاقتوں کو ایسا سبق سکھا دیا کہ وہ تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو جائیں گی۔

اس فقرے کو انگریزی میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

JUST, 3.15 BILLION SECONDS OF MUSLIM AWAKENING IN SOUTH ASIA CAUSED 3 WESTERN, GLOBAL, ZIONIST, SUPER POWERS TO FADE AWAY IN HISTORY.

- آج سے چند عشروں بعد کا مؤرخ اس حقیقت کو زیادہ بہتر انداز میں بچشم سر دیکھ کر بیان کرنے کے قابل ہوگا۔
- چنانچہ تقسیم ہند کے بعد برطانوی سامراج زوال سے دوچار ہوا اور آج برطانوی اقتدار امریکی سرپرستی کا مرہونِ منّت ہے۔
- افغانستان پر 1979ء سے قابض USSR، 1990ء کے بعد جلد ہی معدوم ہوگئی (USSR نہیں، اب RUSSIA ہے) اس کی درجنوں ریاستوں کو آزادی مل چکی ہے۔
- تیسری سپر پاور اپنے اتحادی لاؤلشکر سمیت افغانستان سے منہ لٹکائے واپس جانے پر مجبور ہوگیا۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ پرنس فلپ نے ان تین طاقتوں کا زوال خود بچشم سر دیکھا ہے۔
- پرنس فلپ ان تین مغربی طاقتوں میں سے ایک کا بہت اہم 'مہرہ' تھا جو اسلام دشمنی کے ایجنڈے کو لاعلمی میں نہیں، ایک CONSIDERED OPINION کے طور پر اختیار کیے ہوئے تھا اور اُمت مسلمہ کا دوست نما دشمن تھا۔

2

یورپی یونین میں GSP-plus کی پاکستانی عبوری حیثیت اور توہین رسالت کا معاملہ

آج کے مغرب نے اپنے ہاں تین چار صدیوں سے ریاست اور مذہب (دین) کو الگ کر دیا ہے اور مقتدر عالمی قوتوں نے اسی بات کی عالمی سطح پر تنفیذ کے لیے گزشتہ صدی میں اقوامِ متحدہ کا ادارہ (UNITED NATIONS ORGANISATION) بنایا تا کہ اس دامِ ہم رنگ زمین میں اسلامی ممالک اور تھرڈ ورلڈ کے ممالک کو جکڑ کر اپنے عالمی ابلیسی ایجنڈے کو مختلف حیلوں بہانوں (قرضوں کی سیاست، ترقی یافتہ ممالک میں CONTROLED تجارتی مواقع، کھیلوں کے ناروا سیکولر اور انسان دشمن اور حیوانی ضابطوں کی پابندی، مسلمانوں میں اسلامی تصورات کی بیخ کنی، توہین رسالت، حضرت محمد ﷺ کے فرضی خاکوں اور بے ہودہ تبصروں، تحریروں، اسلامی شعائر از قسم پردہ، حجاب، لباس اور اسلامی LIFESTYLE وغیرہ کی آئے دن تذلیل کے PRE-PLANNED واقعات) سے عالمی سطح پر اس نیو ورلڈ آرڈر (جو دراصل

جیو (JEW) ورلڈ آرڈر ہے) کی مکمل تنفیذ کے مقصد کا حصول ہے۔اس مقصد کے لیے عام انسانی اجتماعی اصولوں (COMMON SENSE NORMS) کو بھی زیروزبر کردیا گیا ہے۔

کبھی یہ کام ابتدائی مراحل میں تھا تو قاہرہ کانفرنس ہوئی، پھر بیجنگ کانفرنس ہوئی، پھر بیجنگ 5+ کانفرنس ہوئی اور اب UNO کے ان فیصلوں کی سختی سے تنفیذ (بالخصوص WOMENLIB، ہر اصول، ضابطے، اخلاقی قدر سے آزادی کا تصور، جواب پاکستان میں 8، مارچ کو عام کردیا جاتا ہے تاکہ عوامی سطح پر مسلمانوں میں شرم، حیا، اسلامی شعائر حضرت محمد ﷺ سے عشق و محبت کا معیار دیکھا جاسکے) کے لیے ماشاء اللہ اب یہ فیصلے تجارتی اور قرضوں کی سیاست کے تحت پاکستان جیسے ممالک کو دبوچنے (TO CONTROL) کے لیے انتظامی سطح پر ہوتے ہیں اور اب معاملہ روپ بدل کر GSP-plus کی شکل میں یورپی یونین سے تجارتی مواقع کے حصول تک رہ گیا ہے۔

یہ بات نہایت افسوس کے قابل ہے کہ جو حکومتی موقف GSP-plus کے لحاظ سے فرانسیسی سفیر کو ملک بدر کرنے کے معاملے میں سامنے آیا ہے کہ ایک طرف توہین رسالت پر فرانسیسی صدر (عوام نہیں) کا موقف اور دوسری طرف فروری 21ء میں اُس وقت کی قابلِ لحاظ سیاسی جماعت سے سرکاری وفد کا ایک معاہدہ ہے۔حکومت اگر GSP-plus کے ملکی STATUS پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی تو فروری 21ء میں معاہدہ ہی نہ کرتی اور کوئی دوسرا موقف اختیار کرلیتی۔مگر عقل حیران ہے کہ صرف دو ماہ بعد اس معاہدے کی تکمیل کے موقع پر فرانسیسی سفیر کی ملک بدری کے معاملے پر GSP-plus یاد آ گیا۔کیا یہ GSP-plus کا معاملہ فروری 21ء اور اپریل 21ء کے دوران کوئی نیا ISSUE اُٹھ کھڑا ہوا ہے کہ حکومت ایک بندگلی میں پہنچ گئی ہے اور کئی ایمرجنسی اقدامات کرلیے ہیں۔

پاکستان میں علامہ اقبال کے خیالات و فرمودات کی اگر سرکاری سطح پر کوئی حیثیت اور وقعت ہے تو ان کا فرمودہ ہے کہ

؎ دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

سرکاری اہل کاروں کا جو موقف اخبارات میں چھپا ہے اس کے مطابق پاکستان کو غیر ملکی قرضوں کی ابھی شدید ضرورت ہے۔ سابقہ قرضے بھی بہت ہیں اور اپنی معیشت کی درستگی کے لیے ہمیں تو پہلے قرضوں کی RESCHEDULING کے ساتھ نئے قرضے بھی چاہئیں۔ لہٰذا قرض دینے والی قوتیں اگر توہین رسالت بھی کرتی ہیں تو ہمیں اس کو سر جھکا کر قبول کر لینا چاہیے۔

UNO کے اس انسان دشمن ابلیسی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے پاکستان کو آج تک کیا ملا۔ مسئلہ کشمیر 73 سال سے اقوامِ متحدہ کے ایجنڈے پر ہے مگر معاملہ جوں کا توں ہے۔

ہماری گذارش ہے کہ حکومت UNO کے ساتھ اپنے تعاون کو مسئلہ کشمیر کے صحیح حل کے ساتھ مشروط کر دے اور UNO کے ساتھ تمام شعبوں میں اپنے تعاون کو SUSPEND کر کے مقبوضہ کشمیر کی پاکستان کے ساتھ الحاق تک ہر قسم کا تعاون بند کر دے اور توہین رسالت کو بھی برداشت نہ کرے۔ اللہ کرے یہ نصیحت آمیز الفاظ پاکستان کے کرتا دھرتا افراد تک پہنچ سکیں اور وہ ان پر ایک 'IQBALIAN' اور 'غلامِ محمد ﷺ' کی حیثیت سے غور کر سکیں۔

؎ تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی!

3

اہلِ لاہور نے پورے ملک کے مسلمانوں کی طرف سے توہینِ رسالت کے معاملے پر قربانی دے کر مسلمانانِ پاکستان کا سر فخر سے سر بلند کر دیا

علامہ اقبال کا تعلق بھی سیالکوٹ کے بعد لاہور سے ہی تھا انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ یہیں گذارا۔ قائداعظم کو بھی علی گڑھ کے بعد اہل لاہور اور پنجاب یونیورسٹی کے مسلمان طلباء پر فخر تھا۔ قراردادِ پاکستان (23 مارچ 1940ء) لاہور کے ماتھے کا جھومر ہے، مینارِ پاکستان اسی اجلاس کی نشانی ہے۔

1974ء میں دوسری عالمی سربراہ کانفرنس کا لاہور میں انعقاد بھی اہل لاہور کی عالم اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے وابستگی کا مظہر ہے۔ اسی طرح 2021ء میں عالمی سطح کے ISSUE پر

لاہور میں معاملات سیاسی سطح پر ایک بند گلی میں پہنچ گئے اور 2007ء کے اسلام آباد کے جامعہ حفصہؓ کے واقعہ کی طرح کا ایک دل گداز واقعہ لاہور میں پیش آ گیا کہ جس کی توقع نہیں تھی۔

اس سانحۂ لاہور میں حکومتی مؤقف اور اسلام یا اہل لاہور کا مؤقف کیا ہے؟ اس بات کا حقیقی میزانیۂ نفع نقصان مستقبل کا مؤرخ ہی چند سال بعد ظاہر کر دے گا۔

اہلِ لاہور مجموعی طور پر قابل مبارکباد اور قابلِ ستائش ہیں کہ انہوں نے اس موقع پر جانوں کا نذرانہ پیش کر کے کئی 'غازی علم الدین' پیش کر دیے ہیں، جو آج نہ سہی، قیامت کے دن ضرور سرخرو شمار ہوں گے۔

_____اہلِ لاہور زندہ باد_____

فرمودۂ اقبال

گدائی

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا!
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اُسے؟
کس کی عُریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا؟
اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب و بے نوا!
مانگنے والا گدا ہے، صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا!

(ماخوذ از انوری)

(آخری قسط)

عصرِ حاضر کے دھندلکوں میں
قرآن وسُنّت کا انقلابی زاویۂ نظر

خشتِ سوم

کرنل (ر) انجینئر اشفاق احمد

عصرِ حاضر کی گتھی سلجھانے اور معاملاتِ عالم کی جامع تفہیم کی حکمتِ عملی نمبر ۳
گھمبیر عصری اضطراب اور طاغوتی حکمتِ عملی کی قرآنی تشخیص

عصرِ حاضر کی بھڑکیلی نبض پر ہاتھ رکھ کر واقعاتِ عالم پر گہری نظر ڈالیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وقت کو پَر لگ گئے ہیں۔ ہر گزرتے سال میں غیر معمولی حادثات و واقعات کا ذخیرہ پہلے سے زیادہ تاریخ ساز بن جاتا ہے۔ قومیں ایک سانحہ سے سنبھل نہیں پاتیں کہ اس سے بڑی اگلی بلا نگلنے کو آموجود ہوتی ہے۔ حوادثِ زمانہ کی تباہ کن رفتار، چرند، پرند، حیوانات اور انسانوں کے صدیوں سے محفوظ ''حیاتیاتی نظام اور اخلاقی مدارج'' کو یکساں برباد کرنے پر تُلی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے ماحولیاتی تبدیلیوں، جنگ و جدل، دہشت گردی اور عالمی امن و سلامتی پر سنجیدہ نظر رکھنے والے بلیٹن آف اٹامک سائنٹسٹس (Bulletin of Atomic Scientists) اور عالمی امنِ عامہ کا جدول (Global Peace Index) ترتیب دینے والے تھنک ٹینک لگاتار ''بھیانک عالمگیری تباہی'' کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ یہ خوفناک تناظر اور زمینی حقائق جہاں ایک طرف 'عملِ پیدائش' سے پہلے دردِزہ کے مصداق آنے والی 'عالمگیر تباہی' کا پوری شدّت سے اعلان اور کچھ

نادیدہ قوتوں کے پوشیدہ مقاصد کے 'فی الفور حصول' کے لیے 'انتہائی تاؤلہ پن' کا انکشاف کر رہے ہیں تو دوسری طرف اُسی شدت اور تیزی سے اصل حقائق کو مٹانے یا بدلنے کی سازش کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ کمالِ فن یہ ہے کہ تباہی اور بربادی ''امن وترقی'' کے پُرفریب نعروں کے ساتھ عطا کی جارہی ہے، جبکہ وصول کنندہ اپنی موت کے پروانے پر دستخط کرتے ہوئے ''دیوانہ وارجشن'' بھی منا رہے ہیں۔ ع حمیّت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

مشرقِ وسطیٰ (Middle East) میں بالعموم اور سعودی عرب میں بالخصوص کل کا دشمنِ جاں، آج کا جانِ جاں بن چکا ہے۔ تسلیمِ اسرائیل کا بڑھتا شور وغوغا، دراصل اُس شیطانی نظام کے عروج وکمال کا اعلان ہے کہ جس کی 1948ء میں ایک ناجائز اور سخت استحصالی ریاست کی صورت میں بنیاد رکھی گئی تھی۔ تاریخ کے دریچوں میں جھانکیں تو علم ہوتا ہے کہ جب دورِ فاروقی (637ء) میں یروشلم فتح ہوا تھا تو عیسائی راہبوں کی درخواست پر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اُمتِ محمدیہؐ کے لیے دائمی فرمان جاری فرمادیا کہ یہودیوں کو اپنے مقدّس مقامات کی حاضری کی اجازت حاصل ہوگی مگر اُن کی فطری شر پسندیوں کے پیشِ نظر، انہیں کبھی اس بابرکت علاقے میں ''ملکیتی حقوق'' نہیں دیے جائیں گے۔ فرنگی راج نے تہہ در تہہ سازشوں کے بعد ''اعلامیۂ بالفور (1917ء)'' کے تحت 70ء سے بے دخل یہودیوں کو فلسطینی علاقے میں ''ملکیتی حقوق'' عطا کردیے اور اس طرح وجودِ خلافتِ عثمانیہ پر بالفعل ''خطِ تنسیخ'' پھیر دی۔ یہودیوں پر ارضِ مقدسہ میں واپسی پر 1847 سالوں کی ''طویل ترین پابندی'' اس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ اس کا تذکرہ کریم اللہ نے قرآن عالی شان میں فرمادیا۔

''اور جس بستی کو ہم نے ہلاک (وتباہ) کردیا، اس کے لوگوں پر پابندی لگادی کہ وہ (وہاں واپس) لوٹ نہ سکیں، یہاں تک کہ یاجوج وماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے (تیزی سے) پھسلتے چلے آئیں گے۔'' (الانبیاء۲۱:۹۵-۹۶)

سورۂ بنی اسرائیل کی 4 تا 8 آیات کی روشنی میں واضح ہے کہ یہودی ارضِ مقدّسہ میں پہلے دو دفعہ فساد فی الارض مچا چکے تھے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر کریم اللہ نے انہیں مراجعتِ حق کیلئے تیسرا اور آخری موقع عطا فرمایا۔ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (۱۷:۸) کے تناظر میں نہ

صرف یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور نتیجتاً اللہ کی 'غیر متزلزل سنت' کے عین مطابق حتمی عذاب اور یہودیوں کی آخری تباہی کا واضح اشارہ ہے بلکہ پہلے دونوں فساد فی الارض کے مقامِ سابقہ (یعنی ارضِ مقدّسہ) میں اُن کی واپسی اور شر پسندی کی آخری نامُراد کوشش کا بیان ہے، واللہ اعلم بالصواب

''اعلامیۂ بالفور'' بلاشبہ صدیوں پر پھیلے واقعاتِ عالم میں ''انتہائی سنگین ترین موڑ'' تھا اور اس غیر معمولی حقیقت کو پہچان کر علامہ اقبالؒ پکار اُٹھے

کُھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ''یَنسِلُون''

(''یَنسِلُون'' بمعنی تیز رفتاری سے نیچے لُڑھکتے یا پھسلتے آنا۔ سورۃ الانبیاء ۲۱:۹۶)

عصرِ حاضر میں بنی اسرائیل المعروف یہودی دنیا بھر میں غیر معمولی طاقت، اثر و رسوخ اور بے مثال صلاحیتوں کے مالک بن چکے ہیں۔ وہ ''مقصدِ قیامِ اسرائیل'' بھولے ہیں (یعنی ''پہلی عالمگیر شیطانی حکومت'' کا قیام) اور نہ ہی اللہ کی آخری چنی ہوئی خیرِ اُمت کو تہس نہس کرنے کے لیے قائم ''شیطانی فوج یعنی حزب الشیطان'' سے دستبردار ہونے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ عالمِ اسلام کو ''بلا تاخیر تباہ و برباد'' کرنے کے لیے عصرِ حاضر کا ابرہہ اپنی طاقتور فوج کے ہاتھی (یعنی مہلک ترین ہتھیار) میدان میں فوری اُتارنے پر آمادہ ہو چکا ہے۔ اس ہمہ جہت، ہمہ گیر اور ہولناک جنگ میں مسلمانوں کے لیے کوئی ''راہِ مصلحت'' ہے اور نہ ہی کوئی ''راہِ فرار'' موجود ہے۔ اب اِن کے پاس ایک ہی راستہ بچا ہے کہ تمام فروعی، مسلکی اور گروہی اختلافات کو فوری مٹائیں، اپنے ایمان و یقین کا قبلہ درست کریں اور اپنی تمام تر توانائیاں اور وسائل اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے لیے وقف کر دیں۔

''اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ اُن کے دین (طرزِ زندگی) کی پیروی نہیں کرتے (جو کہ ناممکن ہے)۔ آپ فرما دیں کہ حقیقی ہدایت تو صرف اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اور اُس علم کے بعد جو کہ (بذریعۂ وحی) آپ کے پاس آ چکا ہے، اگر آپ نے ان کی خواہشوں کی پیروی کر لی تو پھر آپ کو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ملے گا اور نہ کوئی مددگار۔'' (سورۃ البقرہ ۲:۱۲۰)

شیطان کا پہلا بے خطا ''نفسیاتی وار''، قرآنی منظرنامہ اور آج کا کٹھن ترین چیلنج

اللہ نے جنت میں حضرت آدم وحوا (علیہما السلام) کو لاتعداد نعمتیں اور اَن گنت بارآور درخت عطا فرمائے اور ان میں سے محض ''ایک شجرممنوعہ'' قرار دیا (سورۃ الاعراف ۷:۱۹)۔ شیطانِ لعین نے ان عظیم اور اوّلین انسانوں کو نجانے کتنی مُدّت میں اپنے ''بے خطا نفسیاتی وار'' کے ذریعے یہ باور کروادیا کہ ''مسجودِ ملائکہ'' منشائے الٰہی کو ''نادرست'' سمجھے ہیں، چنانچہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرسکتے ہیں۔حتیٰ کہ وہ مردوداس بات کوان کے ذہنوں میں بٹھانے میں بھی کامیاب ہوگیا کہ ''شجرِممنوعہ'' کا حکم اللہ نے اس لیے دیا ہے کہ کہیں آدم وحوا ''فرشتوں کا مقام اور لافانی زندگی'' نہ پاجائیں۔قرآن عالی شان، شیطان کی اس ''زبردست نفسیاتی چال'' کو ''وسوسہ'' کی دقیق اصطلاح سے متعارف کرواتا ہے۔

> ''پھر شیطان نے اُن دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا، تاکہ اُن کی شرم کی پوشیدہ جگہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔ کہنے لگا کہ تمہارے ربّ نے تمہیں اس درخت سے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس وجہ سے روکا تھا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہوجائے۔'' (الاعراف ۷:۲۰)

اس پیچیدہ نفسیاتی عمل کی آسان تفہیم ایک مثال سے سمجھی جاسکتی ہے کہ جس طرح دیواروں پر کوئی سا پینٹ کیا جاسکتا ہے اور دوسرے، تیسرے کوٹ سے تادیر رنگ برقرار رکھا جاسکتا ہے، عین اسی طرح دماغ کی (تمثیلی) دیواروں پر کوئی سا بھی رنگ کرنا یا نقش ڈالنا نہ صرف ممکن ہے بلکہ اس کا اثر تادیر قائم رکھا جاسکتا ہے۔ چونکہ بچوں کی دماغی دیواریں تختی کی طرح صاف ہوتی ہیں، اس لیے محاورتاً کہا جاتا ہے کہ ''بچپن کی باتیں، پچپن (کی عمر) تک یادرہتی ہیں''۔ یہ نفسیاتی عمل عصرِ حاضر کی جدید AI ٹیکنالوجی کی بدولت شیطانی قوّتوں کے لیے ''بائیں ہاتھ کا کھیل'' بن چکا ہے، اسی لیے سادہ لوح مسلمان اور غیرمسلم تو کُجا، جدّی پُشتی دینی گھرانوں میں بھی مذہب بیزاری بمع دیگر خرافاتِ حاضرہ ''روزمرہ کا عام فیشن'' بن چکا ہے اور عوام النّاس میں بددیانتی، جھوٹ، زیادتی اور کھلم کھلا خلافِ دین، عقائد کی تشہیر کا خوب بازار گرم ہے۔ پس شیطانِ لعین جو اوّل الزمان میں اوّلین انسانوں کو بہکانے میں کامیاب ہوگیا تھا، وہ آخرالزمان میں اپنے جدید

ترین ہتھیاروں اوراعلیٰ ترین چالوں سے خوب لیس ہوکر غافل انسانوں پر ہر سمت سے حملہ آور ہے اور خونخوار بھیڑیوں کے معصوم بھیڑوں کے ریوڑ کو گھیر کر تہہ و بالا کرنے کا ''متوقع نتیجہ'' حاصل کر لینے پر کامل یقین کر چکا ہے۔ اُس کو اگر اس کرّہ ٔ ارض پر عالمگیر نوعِ انسانی میں سے کہیں سے ذرا سا بھی کھٹکا ہے تو وہ عالمِ اسلام کی خاک میں چھپی کسی ''نامعلوم چنگاری'' سے ہے ورنہ وہ پوری انسانیت کو آخری تباہی و دائمی گھاٹے کے لیے مکمل ذہنی تیاری کروا چکا ہے۔

ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں   عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف

حافظ ناموسِ زن ، مرد آزما، مرد آفرین   الحذر! آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر

(ابلیس کی مجلسِ شوریٰ۔علامہ محمد اقبال)

مندرجہ بالا نقطۂ نظر کی روشنی میں عصرِ حاضر میں پوری دنیا میں پھیلی اضطراری صورتحال جس میں غیر معمولی واقعات و نا قابلِ بیان حوادث کی تعداد اور شدّت میں لگاتار اضافہ ہونا اب قابلِ فہم بن جاتا ہے۔ پھر جب ان بکھرے ہوئے واقعات کو نقطوں کی صورت جوڑا جائے تو تیزی سے آخری مراحل میں داخل ہوتے، بھیانک شیطانی منصوبے کی تصویر عریاں ہو جاتی ہے۔ افرادی و مالیاتی نقل و حرکت پر کڑے پہروں پر مزید پہرے، انفرادی آزادی و آزادیٔ اظہار پر سخت قدغن، عالمی ڈیجیٹل گرفت میں انتہائی تاؤلہ پن، ویکسی نیشن پروگراموں میں طوفانی سرگرمی، جھوٹی معلومات کا سیلاب اور نت نئی کڑی قانون سازیاں اسی شیطانی منصوبے کی کڑیاں ہیں۔

سبھی کچھ ہو چکا اُن کا ، ہمارا کیا رہا حسرتؔ

نہ دیں اپنا، نہ دل اپنا، نہ جاں اپنی، نہ تن اپنا   (مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ)

عصرِ حاضر کی گتھی سلجھانے اور معاملاتِ عالم کی جامع تفہیم کی حکمتِ عملی نمبر ۳

تین آیاتِ قرآنی اور عصرِ حاضر میں دجّالی فکر و جستجو کا بھیانک رُخ

اگرچہ قرآن عالی شان اُمت محمدیہ ﷺ کی راہنمائی کے لیے نازل ہوا ہے مگر مستثنیات کے سوا، مسلمانوں کی غالب اکثریت اس کو محض ثواب کی کتاب سمجھتی ہے اور ''تلاوت، تزکیہ، تعلیم الکتاب اور تعلیم الحکمت'' کے چار تدریجی مقامات سے بالفعل کنارہ کش ہو چکی ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان، انہی میں

سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے، اور اُن کا تزکیہ کرے، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔'' (سورہ آلِ عمران ۳:۱۶۴)

پھر بار بار ''غور و فکر اور تدبّر'' (فَاعتَبِرُوا یا اولی الابصار ۲:۵۹) کے قرآنی احکامات اور گھمبیر حالات میں ''آخری نسخۂ کیمیا'' کی موجودگی کے باوجود، عصرِ حاضر کے مسلمان، اللہ کے آخری کلام سے مسلسل بے رُخی برتنے سے کوئی عار نہیں محسوس کرتے۔

''اور (روزِ حساب) رسول ﷺ عرض کریں گے کہ اے میرے ربّ! میری قوم (یعنی اُمت) اِس قرآن کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھی تھی۔'' (سورۃ الفرقان ۲۵:۳۰)

دورِ جدید میں مسلمانوں کی قرآن اور قرآنی فہم و عمل سے بے رُخی کے باوجود، اسلام دُشمن قوّتوں نے اللہ کے آخری کلام پر گہرے تدبّر سے نہ صرف مسلم قلب و نظر سے ''حقیقت اسلام'' محو کرنے کی پوری حکمتِ عملی تیار کر لی ہے بلکہ شیطانی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے آخری نوک پلک بھی سنوار چکی ہیں۔ المیۂ کبریٰ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی سُرمدی راہنمائیوں کے باوجود، آخرالزمان کی تین اہم ترین ہستیوں (یعنی حضرت عیسیٰؑ، سیدنا امام مہدی اور مسیح دجّال) کی حقیقت پر دبیز پردے ڈالنے میں بھی وہ کامیاب ہوچکی ہیں۔ اس ناقابلِ یقین بیانیے کو سمجھنے کے لیے دجّالی فکر و جستجو پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اس وقت دجّالی قوتیں جہاں اک طرف، معصومیّت اور خیرخواہی میں لپٹے گوناں گوں حربوں سے عالمی آبادی پر اپنی قیامت خیز گرفت مضبوط کر رہی ہیں تاکہ ''کل روئے ارض پر پہلی مرتبہ کامل شیطانی راج کے نفاذ کو ممکن بنایا جاسکے''، وہیں دوسری طرف، اس بھیانک شیطانی پروگرام میں آخری رکاوٹ ''دو عظیم ہستیوں'' کی تلاش میں پورے ارض و سماء میں سخت دھما چوکڑی مچا رہی ہیں۔ یہ ''حضرت عیسیٰؑ اور سیدنا امام مہدی'' ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو اس لیے کہ وہ واحد ہستی ہیں جو نہ صرف مسیحِ دجّال کو ہلاک کر کے کُل انسانیت پر مُسلّط قیامت خیز فتنۂ دجّال کا خاتمہ فرمائیں گے، بلکہ کامل شیطانی راج کے راستے میں ''فیصلہ کُن دیوار'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سیّدنا امام مہدی پر پہلے ہی بحث سمیٹ لی گئی ہے کہ یہی وہ واحد ہستی ہیں جو مسیحِ دجّال کی طلاطم خیز

موجودگی اور انتہائی لرزا خیز ''عہدِ دجل وفریب'' میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کی '' مثبت اور یقینی شناخت'' فرما کر عالمِ اسلام کی باگ دوڑ ''اصلی/درست مسیح موعودؑ'' کے ہاتھ مرحمت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ روح اللہ کے متعلق یہ راہنمائی فرمائی ہے:

''اور (اہلِ کتاب میں سے یہودیوں نے) یہ کہا کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیحؑ ابنِ مریم کو قتل کر دیا تھا، نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا تھا، نہ ہی سُولی دے پائے تھے۔ بلکہ انہیں اشتباہ ہوگیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس معاملے میں اختلاف کیا ہے، وہ دراصل اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں۔ انہیں گُمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے۔ اور یقیناً وہ انہیں (عیسیٰؑ) کو قتل نہیں کر پائے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اُٹھالیا، اور اللہ بڑا صاحب اقتدار، بڑا حکمتوں والا ہے۔ اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں بچے گا جو حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لائے، اور روزِ قیامت وہ ان پر گواہ بنیں گے۔'' (۴:۱۵۷۔۱۵۹)

رفع عیسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمدِ ثانی چونکہ حزبُ الشیاطین کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہے، اس لیے شیطانی قوّتوں نے علم آخر الزمان کے ان اہم ترین موضوعات پر عالمِ اسلام میں گہری کنفیوژن پھیلا رکھی ہے۔ البتہ جب ہم محض تین قرآنی آیات کی روشنی میں شیطانی قوتوں کی سرگرم کھوج اور تابڑتوڑ دجّالی جستجو کا گہرا ملاحظہ کریں گے تو قرآن عالی شان کے طالبِ علم طاغوتی اندھیروں سے ربّانی اُجالے کی طرف کمر کس لیں گے۔ ان شاء اللہ۔

۱۔ پہلی آیت

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (آلِ عمران ۳:۵۵)

''جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام)! میں تمھیں صحیح سالم واپس لے لوں گا، اور تمھیں اپنی طرف اُٹھا لوں گا، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کی (ایذا رسانی سے) تمھیں پاک (یعنی محفوظ) کردوں گا۔ اور جو لوگ آپ (کے لائے

ہوئے دین) کی اتباع والے ہیں، ان کو قیامت تک آپ کے منکروں پر غالب رکھوں گا، پھر تم سب میری طرف لوٹ کر آؤ گے، تو میں تم میں ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔''

سورہ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت نمبر ۵۵، سورۃ النساء کی آیات ۱۵۷۔۱۵۹، تاریخی حقائق اور احادیثِ نبویہ پر تدبّر سے یہ نقشہ واضح ہوتا ہے کہ:

ا۔ بنی اسرائیل (المعروف یہودی) اِلہامی احکامات اور ربّانی تعلیمات کی ہٹ دھرم مخالفت سے بڑھ کر شیطان کی فوج کے سپاہی کی حیثیت سے اللہ کی تمام نشانیوں کو مٹانے کے درپے ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ قتلِ انبیاء جیسے گھناؤنے جرائم اب اُن کی گھٹی میں پڑ چکے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش سے اُن کی دعوتِ توحید تک وہ مسلسل اسی تاک میں تھے کہ کیسے اس عظیم فرستادے سے نمٹا جائے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف رومی حکمرانوں کے کان بھر کر اپنے تئیں، اُن کو سُولی چڑھا کر ہلاک کروانے کا مکمل بندوبست کر لیا تھا۔

ب۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے قتل کی طاقت واجازت کبھی کسی کو عطا نہیں کی۔ قتلِ انبیاء میں ماہر یہودی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''حیثیتِ رسول'' نہ پہچان پائے، نتیجتاً ناکام ہوئے۔ اللہ نے ''خصوصی انتظام'' سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اپنی طرف اوپر اُٹھا لیا۔

ج۔ قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق (شام) کی جامع مسجد میں دو فرشتوں کے جلو میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور بابِ لُد کے پاس مسیحِ دجّال کو قتل کر دیں گے۔ تمام یہودی تہہ تیغ کر دیے جائیں گے، تمام غیر مسلم بشمول عیسائی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے، ہر سُو اسلام کا بول بالا ہو جائے گا، جہاد و جزیہ ختم کر دیا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ حیات و ممات کے عمومی ربّانی قاعدے (كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۳:۱۸۵) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے پہلو میں روضۂ رسولؐ میں دفن ہوں گے۔

۲۔ دوسری آیت

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ

''ہم نے ابنِ مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور اُن کی والدہ کو ایک نشانی بنایا۔ اور اُن دونوں کو ایک بلند، ہموار اور سلامتی والی جگہ پر پناہ دی اور جہاں صاف ستھرا پانی (چشموں اور جھرنوں کی صورت) بہتا تھا۔'' (سورۃ المومنون ۲۳:۵۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلقہ بحث شدہ حقائق پر بلا جھجک ایمان لا کر، اللہ کی باغی دجّالی قوّتوں نے اس آیتِ مبارکہ سے غیر معمولی فکری استدلال لیا اور صدیوں پر محیط، تحقیق و جستجو کی پُر خطر مہموں پر اپنا تن، من اور دھن لگا دیا۔ ترکشِ شیطانی کے سب سے بڑے ہتھیار (یعنی مسیحِ دجّال) کے قتل پر قادر و مقرر ''اکلوتی ہستی (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام)'' کی تلاش میں انہوں نے اِس آیتِ مبارکہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''ممکنہ جائے مقام'' کے بارے میں یہ نتائج کشید کیے:

ا۔ بلندی پر واقع ہے جہاں زمین ہموار یعنی سطح مرتفع ہو گی۔

ب۔ امن و سکون اور اطمینان و قرار والی جگہ ہو گی۔

ج۔ وہاں رواں اور صاف ستھرا پانی میسّر ہو گا۔

دجّالی قوّتوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''ممکنہ جائے مقام'' کی تلاش میں 16 سے لے کر 20 ویں صدی تک تقریباً چار سو سالوں میں اس کرّہ ارض کا کوئی بھی ایسا مندرجہ بالا صفات والا مقام نہیں چھوڑا جہاں اُن کے ''زبردست کھوجی طالع آزما'' نہیں پہنچے۔ حتیٰ کہ کشمیر اور ہمالیہ جیسے بلند ترین مقامات پر لاتعداد مہمّوں کی داستانیں ملتی ہیں۔ یہودیوں اور ان کے پروردہ افراد پر مشتمل انبوہِ کثیر کا کٹھن ترین پہاڑی علاقوں کی طرف دھڑا دھڑ سیاحتی یا تفریحی دوروں کا تصوّر محض خام خیالی یا کھلے حقائق سے چشم پوشی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ان شرقی غربی اور شمالی جنوبی مہمّات کی تعداد اور صرف شدہ افرادی قوّت کا تخمینہ، ان پر لکھی جانے والی بے تحاشا فکشن کتابوں رسفر ناموں سے ہوتا ہے کہ جن کی تعداد کا آج تک کوئی درست اندازہ ہی قائم نہیں کر سکا۔ اس مجموعے کو ''فرضی جنت کی تلاش'' یا "Utopian Literature" کہتے ہیں۔ قیاساً 20 ویں صدی کے اوائل میں شیطان کے زیرِ سایہ، دجّالی قوّتیں یہ نتیجہ اخذ کر چکی تھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس روئے ارضی پر موجود نہیں۔ اندازاً یہی وہ تاریخی لمحہ تھا کہ ان کی نگاہیں قرآنی منظرنامے کی روشنی میں ''اُوپر'' کی سمت مرکوز ہو گئیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح

سالم واپس لے لوں گا، اور تمہیں اپنی طرف (اُوپر) اُٹھالوں گا۔‘‘(۳:۵۵)۔ چنانچہ علّت و معلول (Cause & Effect) کی دنیا میں اچانک 20ویں صدی کے آغاز میں ’’اونچائیوں کی طرف اُڑان‘‘ کی دھما کہ خیز کوششیں کوئی اتفاقیہ یا حادثاتی نہیں تھیں بلکہ فضاؤں اور خلاؤں کو باقاعدہ کھنگالنے کی کاوشیں تھی۔ اس سلسلے میں ’’جیک پارسنز‘‘ نامی راکٹ سائنٹسٹ کا انتہائی شیطانی کردار سامنے آتا ہے جو راکٹ ٹیکنالوجی کا موجد اور ناسا (NASA) کے بانیوں میں سے تھا جس نے امریکہ کو سپیس ٹیکنالوجی میں دھکیلنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس نے اسرائیل کے راکٹ پروگرام میں بھی شرکت کی۔ اس نے اپنے حلفیہ بیان میں کہا کہ میں ’’بلاریون آرمیلس الدجّال، مسیحِ دجّال (Belarion Armillus Al Dajjal, The Anti Christ)‘‘ کے زیرِ اثر کام کرتا تھا۔ یہ شیطانی کردار، 1952ء میں ایک نہایت پُر اسرار تجربے کے دوران 37 سال کی عمر میں ہلاک ہوگیا۔ 60 کے عشرے میں خلاؤں میں پرواز کے جنونی سفروں کا آغاز ہوگیا۔ 1968ء سے 1972ء کے درمیان چاند کے سفر کا تانتا بندھ گیا۔ حتیٰ کہ زبردست سرگرمیوں اور لامتناہی اخراجات کے بعد، 20 جولائی 1969ء کو دنیا نے اپالو 11 مشن کے دو امریکی خلانوردوں کو چاند پر چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا اور اسے ’’انسان کا ایک چھوٹا سا قدم، بنی نوع انسان کی عظیم چھلانگ‘‘ سے تعبیر کیا گیا۔ اس کے بعد 12، 14، 15، 16 اور 17 کی تابڑتوڑ کامیابیوں کے اعلان کے باوجود بھی، دسمبر 1972ء کے بعد ’’بھونچالی چندا مشن‘‘ کو اچانک بند کر دیا گیا۔ جہاں ایک طرف یکے بعد دیگرے چندا مشنوں کی تابڑتوڑ سرگرمی اور اچانک منسوخی حیرت انگیز ہیں، وہیں اس سے بھی چشم کشا یہ حقیقت ہے کہ مادیت میں لتھڑی مغربی دنیا نے چندا مشنوں پر اُٹھنے والے بے انتہاء اخراجات (اربوں ڈالروں) کی کبھی تفصیل بتائی ہے اور نہ ہی عالمگیر انسانیت کے لیے ’’کیا کھویا اور کیا پایا‘‘ (Cost Benefit Analysis) سے آگے یہ بتانے کی کبھی ضرورت محسوس کی ہے کہ حقیقی جستجو تھی کیا اور حاصل کیا ہوا؟ مزید برآں چندا مشنوں کی 1972ء میں اچانک منسوخی کے بعد سے لے کر آج کے باکمال دور میں جبکہ جدید ترین ٹیکنالوجی ’ترقی‘ کے کئی پائیدان اوپر چڑھ چکی ہے، ترقی یافتہ ممالک کی اِس ’عظیم انسانی کمال‘ کی طرف ’بے التفاتی‘ دیکھ کر انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ کرّہ ارض میں

ناکامی کے بعد، دجّالی قوّتوں نے فضاؤں کو جانچا، وہاں ناکامی کے بعد خلاؤں کو بھی کھنگال ڈالا؟ آخر میں چاند پر بھی تین قرآنی صفات والا مقام اور اس کے گردوپیش میں مسیح علیہ السلام کی تلاش میں مایوس ہوگئے؟ انتھک مشقت کے آخر میں اس مقامِ رُسوائی پر دجّالی قوّتیں شاید مایوس ہو جاتیں لیکن ایک اور آیتِ مبارکہ پر عمیق تدبّر نے اُن میں نئی روح پھونک دی، واللہ اعلم بالصواب

۳۔ تیسری آیت

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (سورہ آلِ عمران ۳:۵۹)

''اللہ کے نزدیک، عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ جیسی ہے۔ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا اور فرمایا: ہوجا، پس وہ فوراً ہوگئے۔''

عالمِ اسلام اس آیتِ مبارکہ سے یہی مفہوم اخذ کر کے مطمئن ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ''طریقۂ تخلیق'' باقی انسانوں سے مختلف فرمایا۔ حضرت آدم کو ''بن ماں باپ'' پیدا فرمایا تو اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو معجزانہ طور پر ''بن باپ'' پیدا فرما دیا۔ البتہ ''شیطانی مہمیز'' کی بدولت، دجّالی قوتوں نے اسی آیتِ مبارکہ میں مٹی کے ''خصوصی تذکرے'' پر گہرا تدبّر کیا اور ایک جُداگانہ مفہوم اخذ کرلیا۔ حتیٰ کہ اسی نظریہ پر ''کامل ایمان'' لانے کے بعد، اپنی بہترین طاقت اور وسائل کھپا کر ''ارض وسماء'' میں ناقابلِ بیان حد تک بھونچال مچا دیا۔ چنانچہ وہ ''طریقۂ تخلیق'' سے آگے، ''صورتِ تخلیق'' کی طرف متوجہ ہوگئے۔ انہوں نے آدمؑ و عیسیٰؑ کی قرآنی تمثیل سے ''آدم'' کے لُغوی معنی اور اجزائے ترکیبی میں ''سرخ مٹّی'' کو پالیا۔ نتیجتاً انہوں نے زمین اور چاند میں تین متعین شدہ صفات ڈھونڈنے میں ناکامی کے بعد مزید اوپر (آسمانوں میں) ''سرخ مٹّی'' کی اضافی صفت کی تلاش شروع کردی۔ اُن کی انتھک جستجو، نزدیک ترین سیّارے عطارد (Murcury) اور وینس (Venus) کی بجائے، دفعتاً مریخ (Mars) جیسے ''سرخ سیّارے'' کی طرف مرکوز ہوگئی جہاں دورِ حاضر میں تابڑتوڑ مہنگی ترین کوششوں سے نام نہاد ''زندگی (Life)'' کی تلاش کا غلغلہ بلند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آج جبکہ خیرہ کُن ٹیکنالوجی اور ترقی کے باوجود زمینی مسائل، انسانی زندگی کو لاحق

خطرات اور عالمی کساد بازاری میں مسلسل خوفناک اضافہ ہو رہا ہے، سائنسی تحقیقات اور کثیر مادّی اخراجات کا رُخ بے ہنگم معاملات اور عالمگیری تباہی کی طرف بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ حقیقتاً یہ کوئی اتفاقی یا حادثاتی واقعہ نہیں ہے بلکہ مندرجہ بالا مختصر بیانیے کی روشنی میں نپا تُلا اور خاص فکری رُخ پر ''سرگرم ترین منصوبہ'' ہے جو مخالفتِ حق میں حتمی درجے کی دھما چوکڑی مار رہا ہے۔

نبی آخر الزّمان ﷺ، آخری خیرِ اُمت اور مسلم نشاۃِ ثانیہ کا قرآنی منہج

یہ تاریخی حقائق ہیں کہ غزوۂ بدر میں کُفّارِ مکّہ کے 1000 کے لشکر کے سامنے 313 مومنین کا لشکر موجود تھا اور نبی آخر الزمان ﷺ نے اللہ سے رقت آمیز طویل فریاد کی کہ اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت مٹ گئی تو قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہیں بچے گا۔ پھر دو بدو لڑائی کے نتیجے میں 70 کُفّارِ مکّہ کا قتل ہوا اور 70 ہی افراد کو قیدی بنایا گیا۔ تاریخِ عالم میں لاکھوں کی افواج کے ٹکراؤ اور ہزار ہا ہلاکتوں کی لاتعداد مثالوں کے سامنے یہ نہایت معمولی اور عام گروہی تصادم سے بڑھ کر نہیں گردانا جا سکتا لیکن اللہ احکم الحاکمین نے اس دن کو یوم الفُرقان (سورۃ الانفال ۸:۴۱) ڈِکلیئر فرمایا اور جماعتِ کُفّار کا ایک بازو کاٹ دیے جانے کا اعلان فرما دیا۔ مندرجہ ذیل تین امور پر گہرا تدبّر غیر معمولی حقائق اور سربستہ رازوں کا انکشاف کرتے ہیں اور انتہائی گہری ربّانی حکمتوں کو واضح کرتے ہیں (واللہ اعلم بالصواب):۔

ا۔ اگر نصرتِ الٰہی کا مقصود مسلمانوں کی افرادی کمی کو پورا کرنا ہوتا تو تقریباً 700 ایسے فرشتوں کی آسمانی مدد ہی کافی ہو جاتی جو زیادہ سے زیادہ ایک ایک انسانی طاقت کا مظہر ہوتے۔ مگر حقیقی صورتحال قطعی مختلف اور عمومی فہم سے بالاتر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ نصوصِ قرآنی سے 1000 تا 5000 فرشتوں کا ذکر ملتا ہے۔

> ''اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپؐ اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے، تو اُس نے آپ کی فریاد کا جواب دیا کہ میں آپ کی مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں۔'' (سورۃ الانفال ۸:۹)
>
> ''جب (غزوۂ بدر میں) آپؐ مومنوں کو تسلی دے رہے تھے کہ: کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا ربّ تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے؟''

(سورہ آلِ عمران ۳:۱۲۴)

''ہاں! اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ (لشکرِ کُفّار) تمہارے اوپر اچانک حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا ربّ پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔'' (سورہ آلِ عمران ۳:۱۲۵)

عام فرشتے بھی غیر معمولی طاقتوں اور عظیم الشان غیر مرئی صفات کے حامل ہوتے ہیں جبکہ جن فرشتوں کو غزوۂ بدر میں نبی آخر الزمان ﷺ کے جھنڈے تلے لڑنے کی منفرد سعادت نصیب ہوئی، وہ تو اللہ کے خاص چُنے ہوئے جنگجو فرشتے تھے۔ مثلاً مُـــــردِفیـــن (سورۃ الانفال ۸:۹)، مُنـــزَلین (سورہ آلِ عمران ۳:۱۲۴) اور مُسَـوِّمیـن (سورہ آلِ عمران ۳:۱۲۵)۔ ان حقائق کے سامنے لشکرِ کُفّار میں سے محض 70 افراد کا قتل کیا معنی رکھتا ہے؟

۲۔ غزوۂ بدر کے دن کا تعارف اللہ ''یوم الفرقان'' (حق و باطل میں تفریق کرنے والا دن) کے نام سے کرواتا ہے اور اسی دن لشکرِ کفّار کے ایک بازور جماعت کے کاٹے جانے کا اعلان بھی فرماتا ہے:

''(غزوۂ بدر میں اس نصرتِ الٰہی کا مقصد یہ تھا کہ اللہ) کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ دے یا اُن کو ایسی ذلّت آمیز شکست دے کہ وہ نامُراد ہو کر لوٹیں۔''
(سورہ آلِ عمران ۳:۱۲۷)

۳۔ وہ دن اس حوالے سے بھی تاریخی اور منفرد ہے کہ کفّارِ مکّہ کی سنگت میں میدانِ جنگ میں سینہ ٹھونک کر اُترنے والے شیطانِ لعین کا بھی قرآنی تذکرہ ملتا ہے کہ جس نے عالی قدر فرشتوں کے نزول پر راہِ فرار اختیار کر لی۔

''اور وہ وقت (بھی قابلِ ذکر ہے) کہ جب شیطان ان (کافروں) کے اعمال انہیں زینت دار دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ آج انسانوں میں کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا، میں خود تمہارا محافظ ہوں۔ پھر جب دونوں گروہ مدِّ مقابل آ گئے تو وہ ایڑیوں کے بل واپس پلٹا اور کہنے لگا: میں تو تم سے بری الذّمہ ہوں، میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت

ہے۔''(سورۃ الانفال ۸:۴۸)

طویل بحث اور انتہائی پیچیدہ قرآنی منظرنامے کو مندرجہ ذیل نکات میں سمیٹنے کی کاوش کرتے ہیں:۔

۱۔ شیطانی دعویٰ کہ ''آج انسانوں میں سے کوئی بھی طاقت، لشکرِ کفّار پر غلبہ نہیں پا سکتی''، بلا دلیل یا فرضی تھا اور نہ ہی محض حصولِ شہرت کے لیے داغا جانے والا سیاسی بیان تھا۔ اس کا اپنے آپ کو ''ذاتی حیثیت'' میں لشکرِ کفّار کا محافظ، حمایتی اور مددگار مقرر کرنا بھی کوئی ''ہوائی بندوبست'' نہیں تھا۔ پھر ''پورے قرآن میں اِس واقعے کا بے نظیر ربّانی انکشاف''، اس کی غیر معمولی حیثیت پر حتمی مہر ثبت کر دیتا ہے۔ یہ تمام حقائق از خود گہرے تدبّر کے متقاضی ہیں۔

۲۔ شیطانِ لعین نہ صرف نبی آخر الزّمان ﷺ کو اللہ کے انسانی منصوبے کی معراج، بعد از خدا بزرگ توئی (حاملِ مقامِ محمود) کی انفرادیت اور اپنے پروگرام کی کامیابی میں سب سے بڑی رُکاوٹ کی حیثیت سے پہچانتا تھا بلکہ آپؐ کے جلو میں ربّانی نصرت کو بھی جانتا تھا۔ لیکن اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے قبل آپؐ کے وجود، عظیم ترین مشن اور کاروانِ حق کو ختم کرنے کے لیے اپنے آخری اثاثے جھونکنے کے لیے کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے شبِ ہجرت کے بعد، غزوۂ بدر ''عظیم ترین موقع'' تھا۔ اس فکر اور تشریح کی تصدیق حجۃ الوداع پر تکمیلِ دین پر نازل ہونے والی وحی کے ذریعے ہو جاتی ہے:۔

''......آج کافر لوگ تمہارے دین (کے مغلوب ہونے) سے مایوس ہو گئے ہیں۔ سو اُن سے مت ڈرو، اور اپنے دل میں میرا ڈر رکھو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا ہے۔۔۔''(سورۃ المائدہ ۵:۳)

۳۔ مندرجہ بالا نکات کو جوڑنے سے ایک چشم کُشا تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے جس سے نبی آخر الزّمان ﷺ کی فریاد، یوم الفرقان، کثیر فرشتوں کا مقصدِ نزول اور لشکرِ کفّار کے کٹنے والے ایک بازو کی حقیقت واضح ہو جاتی ہیں۔ اس دن شیطانِ لعین ''انسانوں کے علاوہ جنّوں میں سے بھی اپنی طاقتور ترین ابلیسی افواج'' کو کیل کانٹے سے لیس کر کے میدانِ جنگ میں اُتار لایا تھا۔ اسی لیے شیطان کو یقین تھا کہ ''آج انسانوں میں سے کوئی بھی طاقت، لشکرِ کفّار پر غلبہ نہیں

پاسکتی''۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ انتہائی عمیق و پیچیدہ قرآنی منظر نامہ، 7th Generation Warfare اور Star Wars کی تصویر کشی کرتا ہے جس میں خلائی کمانڈ (Space Command) سے ماورا، کہکشانی افواج (Galactic Forces) بھی حصہ لیتی ہیں۔

اس مضمون میں مختلف انداز اور اشاراتی بیانیہ سے صاحبانِ فکر ونظر تک قرآن عالی شان کے ''انقلابی زاویۂ نظر'' کی ترسیل، عصرِ حاضر میں حالات و واقعات کو قرآن وسنت کے تناظر میں سمجھنے اور لرزہ خیز معرکۂ حق و باطل میں قائدانہ مسلم کردار کی اہمیت وافادیت کی طرف متوجّہ کرنے کی عاجزانہ سعی کی گئی ہے۔ عالمِ اسلام کے علاوہ کسی کے پاس، اس دگرگوں صورتحال میں ''کامیابی کا کامل نسخہ'' موجود ہے اور نہ ہی عالمِ انسانی، مسلم قیادت کے بغیر فلاح کے راستے کا سراغ بھی پاسکتی ہے۔ لہٰذا کُل انسانیت کی کامیابی اور ناکامی کا پورادارومدار، آخری خیرِ اُمت کے سر ہے۔ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتے، دجّالی فتنوں کے دور میں، مسلمانوں کے لیے اللہ کی پناہ پکڑنے اور قرآن وسنت کی راہنمائی میں اپنا حقیقی کردار ادا کیے بغیر کوئی چارۂ کار باقی ہے اور نہ ہی کوئی جائے فرار بچی ہے۔ مزید تاخیر اور نااہلی کی صورت میں، عالمِ اسلام کو قیامت خیز اُتھل پُتھل اور ناقابلِ برداشت تکالیف وآلام سہنا ہوں گے، مگر پھر نئی صف بندی ہوگی۔

''اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں (غلبۂ اسلام کے لیے) کُوچ کرو مگر تم تو زمین پر ڈھے پڑتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بدلے، دنیا کی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (سنو) دنیا کی زندگی کا مزہ، آخرت کے سامنے نہایت حقیر ہے۔ اور اگر تم نے (غلبۂ اسلام کے لیے) کُوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ (خدمتِ حق کے لیے) کوئی دوسرا گروہ کھڑا کر دے گا اور تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔'' (سورۃ التوبہ ۹: ۳۸۔۳۹)

''......اور اگر تم (حکمِ الٰہی) سے منہ پھیر لو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا، اور وہ تم جیسے (نافرمان) نہ ہوں گے۔'' (سورہ محمدؐ ۴۷: ۳۸)

اسلامی نظامِ معیشت کی خوبیاں
اور سودی نظام کی تباہ کاریاں

مولانا محمد انور چیمہ

اسلام کا معاشی نظام، سرمایہ داری نظام معیشت سے یک سر مختلف ہے۔ اصول اور طریقہ کار دونوں نظاموں کے الگ الگ ہیں۔ اسلام کی معاشی فکر کسی اور بنیاد پر استوار ہوتی ہے جو سرمایہ داری فکر سے بالکل مختلف ہے۔ جب سود کے بارے انسان عقیدہ اور ایمان سے علم اور عمل مختلف رکھے تو اسلام کا معاشی نظام سمجھنے میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔

سرمایہ داری نظام

یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں انسان اپنی کمائی کا خود مختار واحد مالک نہ کسی مسکین غریب یتیم وغیرہ کے کسی حق کا پابند ہوتا ہے جو کہ خود غرضی کی سب سے بڑی مزین خوراک ہے تمام انسانی اقدار پر بالآخر خود غرضی کی یہ خو مکمل قابض ہو جاتی ہے جس سے دولت سمٹ کر مالدار کے پلڑے میں جمع ہو جاتی ہے جہاں سے امیر غریب کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے معاشرہ میں اعلیٰ ادنیٰ امیر غریب سیٹھ محتاج ہونے کے احساسات شروع ہو جاتے ہیں، جس سے معاشرے سے الفت اٹھ جاتی ہے غریب مسکین کی زندگی بسر کرنے کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے جس سے معاشرہ میں معاندانہ بے رحم ماحول پیدا ہو جاتا ہے لوگ چوری، ڈکیتی اور فحاشی کو ذریعہ معاش بنانے پر مجبور ہو جاتے ہیں انسان کا مقصد حیات پیسہ صرف پیسہ ہی رہ جاتا ہے۔

اشتراکیت

یہ ایک ایسا سرمایہ داری نظام کا مدمقابل معاشی نظام ہے جس میں انفرادی ملکیت کی نفی ہے۔ افراد اپنی کمائی کو اپنی مرضی سے خرچ یا استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ حکومت یعنی سرکار افراد کو ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اس نظام میں کماؤ بیٹا ذاتی دلچسپی سے محروم عمل وفکر کے بغیر اور ذاتی مفاد سے خالی ہاتھ کس طرح اپنی پوری تندہی سے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گا۔ وہ قدری دنیا سے ناواقف مشین نما انسان بن جائے گا۔ انسان انسان نہیں رہتا ایک ربورٹ بن جاتا ہے۔ اس نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کو ختم کر کے ملک میں صرف ایک واحد بڑا سرمایہ دار کو وجود میں لاتا ہے اس اشتراکی نظام میں انسان انسانیت، جذبات سے خالی اور انسانی ہمدردی سے لابلد ایک مشین بن جاتا ہے اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اس نظام میں انسان کے صبر وتحمل کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور پاگل کی حد تک باغیانہ ذہن کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے اشتراکی اور سرمایہ داری دونوں نظام انسانی فطرت سے متصادم ہیں۔ جس وجہ سے یہ دونوں نظام انقلابات کی ٹھوکروں اور بدامنی کا شکار رہتے ہیں۔

سرمایہ داری نظام کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی سعی نے اشتراکی نظام کو جنم دیا تا کہ سرمایہ داری میں دولت کی تقسیم کو متوازن کیا جائے۔ اس اشتراکی نظام نے ایسا غلط راستہ لیا جس میں ذاتی مفاد سے انسان کو محروم کر دیا جو درحقیقت فطرت انسانی سے جنگ ہے۔ جس کام میں ذاتی دلچسپی نہ ہو تو انسان اس میں اپنی خداد صلاحیتیں استعمال نہیں کرتا۔ یہ نظامِ معیشت انسانی اُمنگوں کا قاتل ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت

اس نظامِ معیشت کا یہ کمال ہے کہ انسان کے ہر قوائے عمل وفکر کو اجاگر کرتا ہے۔ دلچسپی اور امنگوں کا مجموعہ اس اسلامی معیشت کے نظام میں پیش پیش رہتا ہے۔ جو کام کرنے کی صلاحیت میں لگن پیدا کرتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت دنیا میں واحد نظام ہے جو فطرت انسانی کی ترجمانی کرتا ہے اور پورے پورے فطری حقوق عطا کرتا ہے۔ غریب مسکین یتیم کے حقوق کو بھی مدنظر رکھتا ہے۔

یہ ایک ایسا نظام معیشت ہے جو انسان کے ظاہری حالات کے ساتھ ساتھ باطن کی تطہیر کا سامان مہیا کرتا ہے دولت کی متوازن تقسیم کے لیے دنیا میں یہ نظام اپنا جواب نہیں رکھتا۔

اسلام کے نظام معیشت کا یہ بے مثال پیغام ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے سامنے ہے سب کچھ تمہارا ہے اپنی صلاحیتوں کا دوڑ الو گھوڑا اٹھالو استفادہ ''کرمزدوری، کھا چوری''۔

دوسری طرف سرمایہ داری اور اشتراکیت کا نظام یہ پیغام دے رہا ہے اور غریب کو باور کرا رہا ہے کہ جو کچھ تمہارے سامنے ہے اس میں کچھ بھی تمہارا نہیں صرف چند بڑے گھرانوں کا ہے یا صرف سرکار کا ہے۔ یہ دونوں نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت ایسے ہیں کہ ان میں امیر آدمی کا کتا بسکٹ کھاتا ہے اور غریب آدمی کا بچہ بھوک سے بلبلاتا ہے۔ یہ دونوں نظام اتنے غیر فطری ہیں کہ غریب کے بچے پر سیٹھ کے کتے کو ترجیح دی جاتی ہے کس قدر دردناک ناانصافی کے حامل ہیں یہ دونوں نظام معیشت۔ (استغفر اللہ)

یہ دونوں نظام معیشت سرمایہ داری اور اشتراکیت میں عوام معاشی خوشحالی سے خالی اور معاشی پریشانی میں مبتلا صرف چند لوگوں کے پاس ساری دولت جمع یا ساری عوام ذاتی دولت سے خالی صرف سرکار کے خزانہ میں دولت جمع ہے۔ ان دونوں معیشت کے نظاموں کا پویٹ پوائنٹ سود ہے، انٹرسٹ ہے جسے اب مارک اپ کہنا شروع کر دیا گیا ہے۔

روزی کمانے کی فکر انسانی فطرت میں ہے ان دونوں معیشت کے نظاموں (سرمایہ داری اور اشتراکیت) میں انسان فطرت سے لاتعلق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ کمائی تو صرف سیٹھ کے لیے ہے یا کمائی سرکار کے خزانہ میں جمع ہو جائے گی میرے بچے تو ویسے ہی بھوکے ننگے سو جائیں گے۔

غیر فطری نظاموں سے بے نیاز اسلامی نظام معیشت اسی رب العزت واحدہ لاشریک کی عطا ہے جو انسان کی فطرت کا خالق رب ذوالجلال ہے۔ اسلامی معاشی نظام دنیا کا واحد نظام ہے جو ورکر کو اسکے فطری حقوق عطا کرنے کے ساتھ ساتھ دولت کی تقسیم کے توازن کو بھی بگاڑ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام سے ہر فرد اپنا مفاد حقہ حاصل کر کے امن کا خواہاں اور اللہ تعالیٰ کا شکر گذار رہتا ہے۔ جس سے معاشرہ امن چین انصاف سے، چوری چکاری لوٹ مار اور

بدمعاشی فحاشی اور بے جا اسراف دولت سے پاک رہتا ہے۔ ایسے حالات میں نظام انصاف کو اپنا پنجہ مضبوط کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لوگ کرپشن کی بجائے اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں ہر فرد خود بھی نفع حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ اپنی خون پسینہ کی کمائی میں غرباء و مساکین کو حصہ دار سمجھتا ہے۔

اسلامی نظام باطل طریقہ کی کمائی جس سے دوسرے کو نقصان ہو، کا مخالف ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت دنیا میں واحد نظام ہے جو انسان کی ذاتی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے قوائے فکر و عمل کو اُبھارتا ہے اور لطیف انسانی جذبات کو احترام کا مقام دیتا ہے۔ انسان کے مشین کی طرح کام کرنے کو ناپسند و مکروہ جانتا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت میں انسان اپنے مرتبہ و مقام پر عزت و وقار کے ساتھ کام کرتا ہے مشین کے کل پرزوں کی طرح نہیں۔ اس نظام کی یہ خصوصیت ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (29:04)

ناانصافی سے پاک اور رضامندی کے ساتھ بغیر آپس کی ہلاکت کے کاروبار کرو۔ ہر کسی کو اپنا اپنا حق ملے۔ ان اصولوں سے باغی ہو کر کاروبار کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنا ہے۔ دنیا میں سارے نظامِ معیشت صرف اِس جہاں کے آرام و آرائش تک کی بات کرتے ہیں لیکن اسلامی نظامِ معیشت دو جہانوں میں بہتری کی سوچتا ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آدمی اس جہاں میں اسلامی اصولوں کے مطابق کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند درجہ لوگوں کے ساتھ جگہ دیتا ہے۔ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ، وَالصِّدِّيقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ (ترمذی شریف) ''سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''۔

دورِ حاضر میں پوری دنیا اقتصادی و معاشی جنگ کی زد میں ہے۔ اسلام اس معاشی و اقتصادی جنگ میں رزقِ حلال کمانا ضروریاتِ زندگی پورا کرنا اور معاشرے میں غرباء مساکین اور مجبور لوگوں کو مالی سہارا دینا اپنا مقصود جانتا ہے۔ اس سارے پراسس میں سچائی اور ایمانداری کے دامن کو نہ چھوڑنا اور خواہشاتِ نفسانیہ کے خلاف جنگ جیتنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ ایک معاشی جہاد ہے کہ مسلمان ممالک میں اسلامی معاشی انقلاب برپا کر کے اسے یہود و نصاریٰ کے چنگل

سے آزاد رکھا جائے۔ یہود ونصاریٰ کی معاشی واقتصادی کش مکش کا مقصود ومطلوب معاشی نظام پر قابض ہوکر دوسری اقوام کو اپنا غلام بنانا ہے۔ جبکہ اسلامی نظامِ معیشت ہر بشر کی آزادی اس کا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔

اسلام میں تجارت کی اہمیت وفضلیت

مالیات ومعاشیات کے اثرات انسانی زندگی پر سب سے زیادہ مرتب ہوتے ہیں۔ معیشت وتجارت کی مختلف صورتیں ہیں بعض کو حلال اور بعض کو ان کی ظاہری اور باطنی خامیوں کی وجہ سے ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔ حلال کو اختیار کرنا اور حرام سے بچنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس کے اندر اس کے مثبت ومنفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث پاک سے اس کی اہمیت سمجھ میں آجائے گی۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

......ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ: أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَالِكَ؟

......پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے کہ اس کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے غبار آلود ہیں، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا بھی حرام ہے اور اس کا پینا بھی حرام ہے اور اس کا لباس بھی حرام ہے اور اس نے حرام غذا سے پرورش پائی ہے تو اس کی دُعا کیسے قبول کی جائے گی۔

سچا ایماندار تاجر کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں ترمذی شریف کی روایت کا ذکر آیا۔ اسی طرح رزقِ حلال کمانے والا مزدور بھی اللہ تعالیٰ کو بڑا محبوب ہے۔ حدیث شریف میں ہے اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ یعنی محنت کر کے کمانے والا اللہ کو محبوب ہے۔

ایک بنیادی خلا اس بنا پر پیدا ہوا کہ جن مسلمانوں نے جدید علوم حاصل کیے وہ ان علوم کے اسلامی پہلوؤں سے کماحقہٗ آگاہ نہیں تھے اور علمائے کرام نے ایک مروّجہ نصاب کے تحت دینی علوم تو حاصل کیے لیکن جدید علوم اور ریسرچ کی طرف اس طرح توجہ نہ فرمائی جتنی کہ ضرورت تھی۔ اس کے

ساتھ ساتھ ایک نہایت اہم حصہ تزکیہ نفس کا ہے جس کے بغیر حاصل کردہ علوم پر عمل دشوار ہے اور سب کیا دھرا بے سود رہ جاتا ہے۔ ع یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے، قانون پر راضی غیروں کے

جسمانی غلامی کے خاتمے کے بعد بھی گذشتہ 73 سال میں ایک ترقی معکوس کے عمل نے ہم کو اسلام سے دُور اور مغربی معاشرے اور ان کے دیے ہوئے غیر اسلامی قوانین کے قریب تر ہی نہیں کر دیا بلکہ اس کا عادی بھی بنا دیا ہے۔ ذہنی غلامی پہلے سے بڑھ گئی ہے۔

ہمارے معاشرے میں دین کے علم کی کمی کی وجہ سے شریعت مطہرہ کے اصولوں کی حکمرانی کمزور پڑ گئی ہے۔ دین کا سادہ سا اصول یہ ہے کہ ترکِ دنیا بھی نہ ہو اور غرقِ دنیا بھی نہ ہو۔ بعض صورتوں میں تو رزقِ حلال کا حصول فرضِ عین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا تھا کہ لَا یَبِعْ فِی سُوقِنَا اِلَّا مَنْ قَدْ تَفَقَّهَ فِی الدِّیْنِ یعنی ہمارے اس بازار میں صرف وہی آدمی سامان فروخت کرے گا جو دین کے بارے میں سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ اس لیے بعض علماء کرام کے نزدیک تجارت کرنا اس وقت جائز ہوگا جب تجارت سے متعلقہ دینی علوم کا علم تاجر کو حاصل ہو۔ بالفاظِ دیگر حصولِ تقویٰ کے لیے رزق کا حلال ہونا ایک شرط ہے اور حصولِ رزقِ حلال کے لیے علم ایک شرط ہے؛ نتیجہ یہ نکلا کہ تقوی کے لیے علم شرطِ اوّل ہے۔ جو عمل کے بغیر بے سود ہے۔

اسلام نے اپنے معاشی نظام میں حصولِ نفع کے لیے بیع وشراء اور فطری مقابلہ کی آزادی کی چند شرائط رکھی ہیں۔

1۔ معاشی نظام میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللهِ تَعَالَى، وَبَرِئَ اللهُ تَعَالَى مِنْهُ، (مسند احمد عن ابن عمر) ''جس شخص نے چالیس دن کھانے کا سامان ذخیرہ کیا وہ اللہ سے بری ہے اور اللہ اس سے بری ہے''۔

اور بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ، اِنْ أَرْخَصَ اللهُ الْأَسْعَارَ حَزِنَ، وَاِنْ أَغْلَاهَا اللهُ فَرِحَ (المعجم الكبير) ''بُرا ہے وہ آدمی جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ بھاؤ کو کم کر دے تو وہ غمگین ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بھاؤ کو زیادہ کر دے تو وہ خوش ہوتا ہے''۔

2۔ بازار کی آزادی میں مداخلت کی ممانعت

نُهِينَا أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ أَوْ أَبَاهُ (مسلم، عن انسؓ) ''ہمیں روکا گیا ہے اس سے کہ شہری، دیہاتی کے لیے فروخت کرے خواہ وہ اس کا بھائی ہو یا باپ ہو''۔

3۔ تجارت میں کثرت سے قسمیں کھانے کی ممانعت

اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحلفِ فِي الْبَيْعِ، فَاِنَّهُ يُنَفِّقُ، ثُمَّ يَمْحَقُ

''تم خرید وفروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو، کیونکہ اس سے سامان بک جاتا ہے پھر اس میں برکت نہیں رہتی''۔

4۔ ناپ تول میں کمی سے ممانعت

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو

آخر میں عرض ہے کہ ان سب معاشی برائیوں سے بچنے، عوامی سطح پر خوشحالی لانے اور عزت و وقار سے بسر اوقات کے لیے ملک پاکستان کو سودی نظام معیشت ترک کر کے اسلام نظامِ معیشت اپنانا ہوگا۔ اسلام کا معاشی نظام ہی ملک کی معیشت کو بچا سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ خوشحالی کی طرف نہیں جاتا۔ اگر ملک پاکستان اسلامی نظامِ معیشت نہیں اپنائے گا تو غیروں کے دروازے پر بھیک مانگتا پھرے گا، ایم ایف کی غلامی کا طوق گردن سے نہیں اُترے گا۔ عوام میں لاقانونیت، نفرت، چوری، ڈکیتی، دہشت گردی، مہنگائی کا بازار گرم اور حکومت متزلزل رہے گی۔ اسلامی نظامِ معیشت کے علاوہ دنیا کی کوئی طاقت اس ناانصافی اور ذلت آمیز زندگی سے انسان کو نہیں بچا سکتی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا)۔ غیرت کی زندگی بسر کرنے کا گر (طریقہ) بتاتا ہے اور صبر و شکر کا درس دیتا ہے۔ بقول علامہ اقبال

تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

مسلم فنِ تعمیر، تصوّرِ تخلیق اور تصوّرِ جمال

مائیکل ہیملٹن مورگن
(ترجمہ و تلخیص: ناصر فاروق)

(بشکریہ ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل، 20 تا 26 مارچ 2020ء)

سمرقند، ازبکستان 1417ء۔1660ء......شاہراہِ ریشم پر، اَندلُس سے بہت دور مخالف سمت پر مسلم دنیا، سرحدوں سے بے نیاز، جہاں تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے تھے، یہ ریگستان کہلاتا تھا۔ یہاں تین عظیم الشان شاہکار مدرسے تکون حالت میں تعمیر کیے گئے تھے۔ مدرسوں کے منقش ستون، محرابیں اور در و دیوار ذوقِ جمال اور کمالِ فن ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اس دنیا کے لگتے ہی نہیں۔ جس زاویے سے دیکھیں، ماقبل تاریخ کے مقدس مقامات معلوم ہوتے ہیں، جیسے انگلینڈ کے STONEHENGE اور گوئٹے مالا کے TIKAL۔ یہ مدرسے فنِ تعمیر کے بے مثال نمونے ہیں۔

سن 1370ء، سمرقند......تیمور لنگ نے یہ شہر تعمیر کروایا تھا۔ اس نے یہاں وہ وہ بنیادیں اُٹھائیں، جن پر ایک دن وسطی ایشیا کے عظیم الشان فنی نمونے استوار ہونے تھے۔ منگولوں کے بعد، تیمور لنگ اس خطے میں طاقت ور ترین حکمران بن کر اُبھرا تھا، اس کی شان و شوکت اس شہر کی تعمیرات میں بھی بھرپور طور پر نمایاں ہوئی۔ پندرھویں صدی میں تیمور کے پوتے الغ بیگ نے شاہانہ روایت برقرار رکھتے ہوئے حکم جاری کیا کہ ریگستان میں عالیشان مدرسہ تعمیر کیا جائے۔ اس کا معمار قوام الدین شیرازی مقرر ہوا۔ شیرازی نے گویا کسی ماورائی دنیا کی طلسماتی خوبصورتی زمین پر اُتار دی تھی، ایک الف لیلوی تعمیری شاہکار تھا، کہ دیکھنے والا سحر زدہ ہو جائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جنت کا کوئی

باب کھل گیا ہو۔ یہ ایک مدرسہ تھا...... تصوّرِ علم، تصوّرِ جمال اور تصوّرِ تہذیب کا عمدہ عکّاس۔

جب کوئی پہلی بار پرشکوہ محراب کے سامنے پہنچتا، دونوں جانب ایستادہ منقش مینار آسمان کو سہارا دیے سے محسوس ہوتے تھے۔ یہ در و دیوار زمان و مکاں کی آفاقیت سے ہم آہنگ معلوم ہوتے تھے۔ یہ مدرسہ مابعد الطبیعاتی حقیقت سے ہم کلام محسوس ہوتا تھا۔ اگلی دو صدیوں میں ایسی مزید دو عمارتیں ساتھ ہی تکون کی شکل میں تعمیر کی گئیں، کہ اب گویا جیسے باہم ہم کلام ہوں۔ یہاں آنے والے اس تصورِ تعمیر پر تحیّر آمیز نگاہ ڈالتے، اور داد دیے بغیر نہ رہ پاتے تھے۔ گو کہ یہ مدینہ از ہرہ اور الحمرا سے کوسوں دور تھے، مگر تصورِ تخلیق و جمال میں ایک ہی کائنات کے حصے معلوم ہوتے تھے۔ اندلسی عمارتوں کی مانند، ریگستان کے یہ مدرسے طرزِ تعمیر میں نزاکت اور نفاست کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ نیلے، زرد اور سنہرے ٹائلوں کے جیومیٹرک نقش کائناتی رنگ لیے نظر آتے، جیسے شمارتی اور فلکیاتی کلیوں کی آرائش کر دی گئی ہو، ستاروں اور سیاروں کے عکس جیسے در و دیوار پر اُتر آئے ہوں۔ ٹائلوں کے رنگ دلکش کیمیائی تاثر چھوڑتے ہیں۔ ریگستان مدرسے معماروں کی حیرت انگیز مہارت اور ذہانت کا فنی ثبوت ہیں۔ تاہم ان میں مدینہ از ہرہ اور الحمرا سی حساسیت اور جذباتیت نہیں ہے، بلکہ تیموری قوت و شوکت ہویدا ہے۔ یہ پتھروں میں چھپی ان یادگاروں کی یاد دلاتے ہیں، جو ماضی ہو چکیں اور کبھی نہیں لوٹیں گی۔ ان کی بہت سی یکساں حالتیں مسلم میراث کی ترجمانی کرتی ہیں۔

ان مدرسوں کی عمارتیں قریب سے دیکھیں، اندرونی محرابوں میں تلاکاری عمدگی سے مقرنس کو سہارا دیتی نظر آتی ہے۔ یہ عمارتیں نہ صرف طلباء کی تعلیم و تربیت اور رہائش کا اعلیٰ انتظام تھیں بلکہ یہ ایک جامع مسجد بھی تھی۔ تیمور اور اُس کے جانشینوں کے بہت بعد، یہ یادگاریں آج بھی پوری شان سے کھڑی ہیں۔ یہ آج بھی فنِ تعمیر کی بے مثل تحریک ظاہر کرتی ہیں۔ تیموری تعمیرات کوئی تاریخ گم گشتہ نہیں، بلکہ چھ صدیوں سے قائم زندہ جمالیاتی حقیقت ہیں۔

اصفہان، فارس، 1592ء...... سولہویں اور سترہویں صدی میں یہاں ایک اولوالعزم اور باذوق سیاست دان شاہ عباس گزرا۔ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کے بعد اس نے اپنے والد کو تخت سے بے دخل کیا، اور زمام کار سنبھالی۔ اُس نے شاہراہِ ریشم سے تجارت اور دولت کا بہاؤ اصفہان کی جانب موڑ دیا۔ شاہ عباس برطانیہ کی مدد سے عثمان ترکوں اور دیگر یورپی نو آبادیاتی طاقتوں کا زور ختم

کرنا چاہتا تھا، تاکہ فارس کی علاقائی مرکزیت اور عظمت پھر سے قائم کرسکے۔ وہ جانتا تھا کہ فارس کبھی دنیا کا اہم تجارتی حب تھا، یہ علمی فن اور مالی سرگرمیوں کا مرکز ومحور تھا۔ مگر باہمی انتشار کے سبب اسے وہ حیثیت اور پہچان نہ ملی تھی، جس کا یہ مستحق تھا۔ شاہ عباس نے عزم کیا کہ فارس کی شان وشوکت لوٹائے گا، فارس کے ٹکڑوں کو پھر سے متحد کرے گا۔ اس نے ترکوں پر فتح حاصل کی، انھیں بہت پیچھے تک دھکیلا۔ اس نے جارجیوں کو مغرب میں پسپا کیا۔ پرتگالیوں کو سمندر کے رستے بھاگنے پر مجبور کیا اور یوں یوروایشیائی تجارت کے دروازے اس کے لیے کھل گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب شاہ عباس نے اصفہان کو دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا۔ گوکہ یہ شہر عہدِ سلجوق سے ہی حسن کا شاہکار تھا، شاہ عباس نے اسے عظیم الشان بنادیا۔ اس کی سرپرستی میں معماروں، منصوبہ سازوں، اور فنکاروں نے تعمیراتی پتھروں میں وہ بوقلمونی اور تنوع پیدا کیا، جو صدیوں تک خدائی طرزِ تخلیق کی گویا ترجمانی کرتا رہا۔ اس طرزِ تعمیر کے لازمی عناصر تھے: باغ، بڑا چبوترہ، ڈیوڑھی، گزرگاہ، گنبد، مینار، (کمرہ خواب گاہ، چیمبر) اور محراب۔ ان عناصر کے ساتھ ساتھ شاہ عباس اور دیگر منصوبہ ساز اصفہان کی مینا کاری، استرکاری اور گل کاری میں نئے رنگ بھر رہے تھے، نئی مساجد اور محلات، نئے فنی نمونے سامنے لارہے تھے۔ انھوں نے اسے مسلم دنیا اور شاید بیشتر دنیا کا شاہکار ترین شہر بنادیا تھا۔

شاہ عباس کا یہ شہر ایک بہت وسیع چوک کے گرد تعمیر کیا گیا تھا۔ اسے شاہ یا امام اسکوائر پکارا جاتا تھا۔ یہ چوک 95,600 اسکوائر یارڈز، یعنی ماسکو کے ریڈ اسکوائر سے دگنے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اپنے سنہرے دنوں میں یہ وسیع وعریض میدان شاہی چوگان (پولو) کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس شہر کے نوادرات میں مسجد شیخ لطف اللہ شامل ہے، اسے معمار محمد رضا بن استاد حسین اصفہانی نے تعمیر کیا تھا۔

دو میل کی وسعت پر پھیلا مستطیل چوک نیلے ٹائلوں کی طویل گزرگاہ کی مانند تھا، جہاں رنگا رنگ محلات، سرکاری دفاتر اور رہائش گاہیں دور تک جاتی نظر آتی تھیں۔ مسجد شیخ لطف اللہ کی بابت برطانوی سفرنامہ نگار رابرٹ بائرن لکھتا ہے: ''اتنی شاندار شے سے میرا پہلے کبھی سامنا نہیں ہوا۔ یہاں کا اندرونی طرزِ تعمیر اور نقش نگاری بے مثل ہے، میرے ذہن میں ویرسائی محل، یا شون برن کا پورسلین کمرہ، یا قصر دوک یا پطرس باسلیکا کا خیال آیا، مگر کوئی بھی اتنا پرشکوہ نہیں ہے۔''

اس شہر کا ایک اور تعمیری شاہکار عالی قاپو کا محل ہے، اس کی دیواروں پر درباری مصور رضا عباسی اور شاگردوں نے نقش نگاری کی، اعلیٰ فن پارے تخلیق کیے۔ رضا عباسی نے پھول، پرندے، درندے، فارسی فنی علامتیں اور روایتی نقوش ان دیواروں پر منتقل کیے۔ یہ پتھر، سونے اور ٹائل پر نقش گویا تصوراتی فارسی داستان گوئی ہے۔ یہاں کا تیسرا شاہکار مسجد امام ہے۔ اس کا پرشکوہ چہرہ اور نیلے مینار مسجد شیخ لطف اللہ کے مقابل ایستادہ ہیں۔ اگرچہ یہ اپنی اصل میں فارسی ہیں، مگر یہاں اسلام کی دو جغرافیائی انتہاؤں کی گونج سنائی دیتی ہے، ایک اندلس اور دوسرا ریگستان۔ ریگستان کی مانند، اصفہان کی یادگاری عمارتوں میں آنکھوں کو چندھیا دینے والا سبز مائل نیلا ٹائل بہت زیادہ استعمال ہوا ہے، نقش نگاری کی باریکیاں کائناتی پیچیدگی منعکس کر رہی ہے۔ الحمرا کی طرح، یہاں کی عمارتوں میں مقرنسات معلق نظر آتے ہیں، جن پر عمدہ خوش نویسی کندہ کی گئی ہے۔

اصفہان میں نیلے پتھروں کا کام اس قدر عظیم الشان ہے کہ نگاہ ٹھیرتی نہیں۔ بلاشبہ، اصفہان انسانی تاریخ میں فن تعمیر کے شاہکار ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ مغربی یورپ نے مسلم فن تعمیر سے بہت کچھ اکتساب کیا۔ اسے فرانس، برطانیہ اور آسٹریا کی شاہی عمارت میں اپنایا۔ بے تحاشا دولت و ثروت اور طاقت و قوت، شاہ فارس کا دربار فنی خصوصیات میں بے مثل تھا۔ پورے فارس کی مساجد اور اُن کے فلک بوس مینار اور دیگر فنی شاہکار خواہ محلات ہوں، قصبات کے مکانات ہوں یا باغات...... یہاں کے باشندوں میں راحت کا احساس جاگزیں کرتے تھے۔ اصفہان کا یہ شاندار دور تاریخ کا وہ لمحہ تھا جسے کبھی پلٹ کر نہیں آنا تھا۔ یہ شاہ عباس کی طاقت اور تصورِ تخلیق و جمال کا بہترین آہنگ تھا۔

شاہ عباس کے بعد، جانشینوں میں جھگڑے چلتے رہے، ریاست کا پہیہ جام ہونے لگا۔ یورپیوں نے اپنی تجارتی گزرگاہیں بدل دیں۔ وہ اب سمندروں کے راستے تجارت کرنے لگے تھے۔ بڑے بڑے جہاز افریقا سے چکر لگاتے ہوئے بحر ہند اور چین تک پہنچنے لگے۔ اصفہان اور وہ شہر جن کی معیشتیں شاہراہِ ریشم سے زندہ و توانا تھیں، اب دم توڑ رہی تھیں۔ ان آخری وقتوں میں شاہ عباس نے ایک نظر امام اسکوائر پر ڈالی اور سوچا: ”دیکھو اے دیکھنے والو! اصفہان کی شان و شوکت دیکھو، اور فارسی قوم کی تخلیقی و فنی صلاحیتوں کا مشاہدہ کرو، کہ جب ان کی بصارتیں اور

بصیرتیں اپنے کمال پر تھی اور انھیں روشن اور دور رس تصورِ ترقی کی رہنمائی حاصل تھی۔"

آج اصفہان کی یہ عمارتیں یونیسکو اقوامِ متحدہ کی جانب سے عالمی ورثہ قرار دی گئی ہیں۔

آگرہ، ہندوستان، 1631ء......ایک مغل بادشاہ تھا، شہاب الدین محمد شاہ جہاں اس کا نام تھا۔ اس کی کئی بیویاں تھیں، مگر ممتاز اس کے دل سے بہت قریب تھی۔ کم سنی میں ہی ان کی شادی ہوگئی تھی۔ یوں تقریباً ساری زندگی ساتھ ہی گزری۔ ممتاز سے شاہ جہاں کے چودہ بچے ہوئے۔ وہ جنگوں تک میں شاہ جہاں کی ہم رکاب رہی۔ وہ اس قدر یک جان دو قالب بن کر رہے کہ جدائی کا تصور ممکن نہ رہا۔ اس بے مثل محبت کے علاوہ شاہ جہاں مغل بادشاہوں میں سب سے خوش نصیب تھا۔ وہ ایک ایسی سلطنت کا فرماں روا تھا، جو اپنے اندر ایک دنیا تھی۔ سترہویں صدی کے ہندوستان کی دولت روئے زمین پر کسی بھی دوسری ریاست سے زیادہ تھی، یہاں تک کہ یورپ کی اُبھرتی ہوئی استعماری قوتیں بھی مالی طور پر کمزور تھیں، اور ہندوستان پر للچائی ہوئی نظریں جمائے ہوئے تھیں۔

یہ ملک ......گو کہ یہاں مسلمان حکمران تھے......مختلف قوموں، مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کی سرزمین تھی۔ مساجد کے امام عربی بولتے اور لکھتے تھے۔ مغل جو دراصل وسطی ایشیائی تھے، فارسی طرزِ زندگی اپنا چکے تھے، اب قدیم ہندوستان کی فتح کے بعد علاقائی تعلق کا دائرہ مکمل کر رہے تھے۔ شاہ جہاں کے آباء میں ازبکستان کا جلال الدین بابر وہ پہلا حکمران تھا جس نے ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی، اور اکبرِ اعظم جسے ایک دن ہندوستان کا مثالی حکمران قرار دیا گیا۔ شاہ جہاں میں نہ اکبر کی سی وسعت نظر تھی اور نہ بابر کی سی جرأت و بہادری، مگر وہ عظیم معمار بن کر تاریخ میں اَنمٹ ہوگیا۔ اس نے دلی کا لال قلعہ بنوایا، جو مغل طرزِ تعمیر کا عکاس ہے۔ اس نے شاندار محلات اور باغات بنوائے۔

سن 1631ء......شاہ جہاں حالتِ جنگ میں تھا، ممتاز حاملہ تھی، ہم رکاب بھی تھی۔ منع کرنے کے باوجود وہ ساتھ تھی۔ اس سفر میں شہزادی گوہر بیگم کی پیدائش ہوئی۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک انداز میں ہوا۔ مگر مقدر نے ان لمحات میں ممتاز کی موت کا فیصلہ دے دیا۔ یہ دنیا کی دولت مند ترین ریاست کے حکمران کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان تھا، گویا وہ خود سے جدا ہوگیا تھا، دل

جیسے بند ہوگیا تھا، ممتاز کے بغیر زندگی، زندگی نہ تھی۔ شاہ جہاں گردوپیش سے بے خبر ہو چکا تھا، حواس جواب دے چکے تھے۔ عالیشان محلات، ہزاروں ہاتھیوں کے لشکر، ہیرے موتی، جواہرات کی بھرمار، بے شمار عوام اور ان کی دعائیں اور محبتیں، کسی شے کا کوئی وجود نہ رہا تھا۔ وہ مرجانا چاہتا تھا۔ مگر زندگی آگے بڑھ گئی۔

مغل درباری مؤرّخ عبدالحامد لاہوری نے لکھا کہ ''ممتاز کی موت نے شاہ جہاں کا پہاڑ جیسا صبر وضبط ڈھا دیا تھا، شاہ جہاں کی داڑھی راتوں رات سفید پڑ گئی تھی، ایک ہفتے تک وہ لوگوں کے سامنے نہ آیا''۔ سترہویں صدی کے سفرنامہ نگار FRANCOIS BERNIER نے لکھا کہ ''شاہ جہاں کی ممتاز سے محبت کا یہ عالم تھا کہ گویا اس کے پیچھے قبر ہی میں جا پہنچے گا''

شاہ جہاں نے پھر ممتاز کی یادگار تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، ایسی یادگار کہ جو دیکھنے والوں کے لیے ایک یادگار موقع بن جائے۔ ایسی یادگار کہ نگاہ ٹھہر جائے، سانس بے ربط ہوجائے، خیال معطل ہوجائے، اور تصورِ محبت مستحکم ہوجائے۔

احکامات جاری ہوئے، ہدایات دی گئیں، تجاویز سامنے آئیں اور پھر معماروں، خوش نویسوں، اور مزدوروں کی پوری فوج جت گئی۔ پورے ہندوستان سے، فارس سے، ترکی سے بیس ہزار کاری گر آگرہ میں جمع ہوئے۔ انھیں کہا گیا کہ عظیم ترین یادگار قائم کرنی ہے، جو اس عظیم محبت کے شایانِ شان ہو۔ گو لاکھوں شاہی دستاویزات ضائع کردی گئیں، تاہم مؤرخین کہتے ہیں کہ معماروں کی حتمی ٹیم میں استاد احمد لاہوری اور خود شاہ جہاں شامل تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاہ جہاں نے خود منصوبہ بندی کی، کئی تبدیلیاں کیں، معماروں کے ساتھ مشاورت اور تبادلہ خیال بھی کیا۔

شاہ جہاں کی دلی آرزو اور معماروں کی تخلیقی صلاحیتوں نے گویا آسمان سے ایک محل دریائے جمنا کے کنارے اُتار دیا، جیسے فراق اور ہجر میں رنگی کوئی غزل سنگ مرمر پر لکھ دی گئی ہو۔

ہاتھیوں کے لشکر راجستھان سے ٹنوں سنگ مرمر آگرہ پہنچاتے رہے۔ پنجاب سے جاسپر، سرخ زرد نگینے آگرہ لاتے رہے۔ یہ قرآنی آیات کی خوش نویسی کے لیے استعمال کی گئی۔ چین سے قیمتی پتھر جیڈ اور بلور منگوائے گئے، سجاوٹوں اور روشنیوں کا انتظام کیا گیا۔ تبت سے

فیروزہ لایا گیا۔ لاجورد شوخ نیلا نگینہ افغانستان سے درآمد کیا گیا۔ سری لنکا سے نیلم لایا گیا۔ سنگ یمانی عرب سے آگرہ پہنچایا گیا۔ اٹھائیس اقسام کے سنگ مرمر اس محل کی تعمیر میں استعمال کیے گئے۔ بائیس سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی سے یہ شاہکار تیار ہوا۔ پچاس کروڑ ڈالر کی خطیر رقم اس محل پر خرچ کی گئی۔ اس یادگار کا نام تاج محل رکھا گیا۔ اس کے چاروں کونوں پر سنگ مرمر کے مینار اٹھائے گئے۔ وسط میں سنگ مرمر کا ایک سفید گنبد بنوایا گیا۔ چوٹی پر ایک اسلامی چاند لگوایا گیا۔ تاج محل کی تکمیل کے پانچ سال بعد، سن 1653ء میں شاہ جہاں کو بیٹے اورنگزیب نے اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ اورنگزیب نے شاہانہ طرز حکومت اور معاملات کو پھر سے زمین پر اتار دیا۔ شاہ جہاں نے زندگی کے آخری ایام نظر بندی میں بسر کیے، وہ جھروکوں سے تاج محل کا دیدار کیا کرتا تھا۔ جب وہ مرا، تو اورنگزیب نے بڑی تکریم سے ممتاز کے برابر میں شاہ جہاں کی تدفین کروائی۔ شاہ جہان نے ارادہ کیا تھا کہ تاج محل کے سامنے سیاہ سنگ مرمر کا ایک محل اپنے لیے تعمیر کرائے، جو ممتاز سے جدائی کے برسوں کی علامتی یادگار بن جائے۔ مگر یہ ہو نہ سکا۔ تاج محل کے گنبد کے عین نیچے ممتاز کی قبر تھی، شاہ جہاں کی قبر اس کے برابر میں وسط سے ذرا ہٹ کر بنوائی گئی۔

پھر اس جگہ پر مشکل زمانے گزرے۔ مغلوں پر زوال آ گیا۔ لٹیرے آگرہ پہنچ گئے۔ جب برطانیہ نے ہندوستان پر حملہ اور قبضہ کیا، برطانویوں اور ان کے مقامی گماشتوں نے تاج محل کے قیمتی پتھر چرا لیے۔ بعد میں ایک برطانوی وائسرے نے حکم دیا کہ محل کی خوبصورتی بحال کی جائے۔

حکمتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے اکسیر
دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر
حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر!

علامہ اقبال

وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ

''اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر دھوکے کا سامان''

(سورۂ آلِ عمران: آیت 185 اور سورۃ الحدید: آیت 20)

انجینئر عبد اللہ اسماعیل

صاحبِ مضمون رسالہ ہٰذا کی مجلس مشاورت کے رکن بھی ہیں اور قرآن اکیڈمی جھنگ کے ناظمِ شعبہ تعلیم و تربیت بھی۔ انھوں نے کچھ عرصہ قبل قرآن اکیڈمی فیصل آباد میں منعقدہ ایک تربیتی اجتماع سے دنیا کی حقیقت کے موضوع پر ایک مؤثر خطاب کیا تھا، اس کو تحریر میں لاکر اِفادۂ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

حمد و صلوٰۃ، تلاوتِ آیات و حدیث اور دُعا کے بعد!

آج کی گفتگو کا عنوان قرآن مجید کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ۔ ''نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر ایک دھوکے کا سامان''۔ اس کے حوالے سے آپ کے سامنے کچھ گزارشات رکھنی ہیں۔

دھوکا کس چیز کو کہا جاتا ہے؟ وہ چیز جو دیکھنے میں کچھ اور نظر آئے لیکن اس کی حقیقت کچھ اور ہو۔ انسان اس کو کچھ اور سمجھے اور حقیقت اس کی کچھ اور ہو، اس کو دھوکا کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال دی جاتی ہے کہ صحرا میں کوئی پیاسا ہو، اس کو دور سے ریت ایسے نظر آتی ہے جیسے وہاں پانی کا بہت بڑا کوئی تالاب ہے وہ اس کے پیچھے بھاگتا ہے جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ بھی نہیں ملتا۔ اس کو سراب کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو دھوکا لگ گیا۔ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے یعنی ہم اس کو جو سمجھتے ہیں اس کی حقیقت وہ نہیں ہے۔ اور آپ کے سامنے جو یہ بات بیان کرنے کا مقصد ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ہم خیال کریں کہ دنیا ہمیں دھوکا نہ دے جائے، بلکہ ہم دنیا کے دھوکے میں

آ ئے ہوئے ہیں۔ آج کی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کسی طرح اس دھوکے سے نکال لیں۔ ہم میں سے کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو دنیا کے دھوکے میں نہ آیا ہو۔ ابھی ہم آگے بات کریں گے جس سے ہمیں اندازہ ہوگا کہ دنیا کیسے دھوکا دیتی ہے۔ کسی نہ کسی انداز سے ہر آدمی اس کے اندر پھنسا ہوا ہے۔

اگر دنیا کے دھوکوں کی بات کریں تو دنیا کا سب سے بڑا دھوکا جو تقریباً ہم میں سے ہر شخص کو لاحق ہے، اگر اُس کو الفاظ میں بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ دنیا کی بے ثباتی کا عدمِ یقین۔ ہر آدمی کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ میں ابھی نہیں مروں گا۔ یہ سب سے بڑا دنیا کا دھوکا ہے۔ دنیا میں ہر آدمی جانتا ہے کہ مجھے موت آنی ہے لیکن دھوکا یہ ہے کہ میں ابھی نہیں مروں گا، ابھی میرے پاس وقت ہے۔ حالانکہ یہ اتنا واضح دھوکا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے۔ ہر آدمی جنازہ پڑھ رہا ہے کبھی ہم بچوں کا جنازہ پڑھ رہے ہیں کبھی جوانوں کا جنازہ پڑھ رہے اور کبھی ہم بوڑھوں کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ اور یہ تو قدرتی موت ہے اس کے علاوہ کبھی زلزلہ آ گیا کبھی سیلاب آ گیا، ابھی آپ نے لاہور کا واقعہ سنا ہوگا کہ لوگ بیٹھے تھے چھت گر گئی اور کئی لوگ مر گئے۔ دنیا بے ثبات ہے، دنیا کے اندر ناپائیداری ہے اس کی زندگی کا ہمیں کوئی پتہ نہیں ہے لیکن ہم نے یہ دھوکا کھایا ہوا ہے کہ شاید میں ابھی نہیں مروں گا۔ بندۂ مومن جو آخرت کو مانتا ہو جو قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہوں جس کے سامنے دین پورا کا پورا واضح ہو وہ بھی اس دھوکے میں آ جاتا ہے اور جب بندۂ مومن دھوکے میں آتا ہے تو وہ کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں اپنی بُرائیاں جاری رکھوں، توبہ کرلوں گا، ابھی میرے پاس وقت ہے۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا تھا کہ پہلے یوسف کو قتل کر دیتے ہیں **وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ**۔ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے پھر ہم صحیح ہو جائیں گے، پھر ہم توبہ کرلیں گے۔ تو یہ ایک بہت بڑا دنیا کا دھوکا ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو لگا ہوا ہے، ہر شخص گناہ کر رہا ہے ہر شخص بُرائیاں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اور چونکہ قرآن مجید بھی سن رہا ہے ہم سے ہر آدمی درسِ قرآن بھی سن رہا ہے اور یہ بھی توجہ ہے کہ توبہ کرنی چاہیے، گناہ چھوڑنے چاہئیں، دنیا نے ہمیں یہ دھوکا دیا ہوا ہے کہ ابھی تھوڑا سا اور کرلو ابھی کہاں موت آ رہی ہے پھر بعد میں توبہ کر لینا۔ ابھی رشوت لے لو، ابھی غلط کام کرلو جب ریٹائرمنٹ پہ

پیسے ملیں گے پھر حج بھی کرآ نا اور اس کے بعد بالکل سیدھے ہوجانا پھر سارے غلط کام چھوڑ دینا۔ یہ دنیا کا اتنا واضح دھوکا ہے کہ ذرا برابر بھی دنیا کی پائداری کا احساس شروع ہوجائے تو اسی وقت یہ دھوکہ شروع ہوجاتا ہے، حالانکہ اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں نہیں پتہ کہ ہم نے زندگی کا اگلا سال دیکھنا ہے کہ نہیں دیکھنا، ہمیں نہیں پتہ کہ ہم نے زندگی کا اگلا مہینہ دیکھنا ہے کہ نہیں دیکھنا، ہمیں نہیں پتہ کہ ہم نے اپنی زندگی کا اگلا دن دیکھنا ہے کہ نہیں دیکھنا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں نہیں پتہ کہ ہمیں اگلے سانس آنا ہے کہ نہیں۔ یہ بات میں اپنی زبان سے کہہ رہا ہوں لیکن میرا دل اس کو نہیں مانتا۔ میرا دل تو کہتا ہے کہ میں ابھی زندہ رہوں گا۔ ابھی میں نے گھر جانا ہے اور سو کام کرنے ہیں۔ اس کا یقین میرے اور شاید آپ کے دل میں موجود نہ ہو۔ اس بات کا یقین جب ہوگا تب ہم دنیا کے دھوکے سے بچ سکیں گے ورنہ یہ دنیا کا بہت بڑا دھوکہ ہے کہ ابھی میرے پاس وقت ہے۔ اس دھوکے سے ہم نکلیں گے تب ہم دنیا کے دھوکے سے نکل سکیں گے۔ جیسے ہی دنیا کی پائیداری کا احساس ہوجائے انسان دھوکے میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ کوئی ساٹھ ستر سال کا بزرگ آدمی ہے اگر اس کو یہ دھوکہ ہے کہ ابھی تو میری زندگی کے دو چار سال پڑے ہیں تو وہ سیدھا نہیں ہوسکتا۔ کوئی جوان ہے جس نے ابھی نوکری شروع کی ہے اگر اس کو یہ دھوکا ہے کہ میں تو صحت مند ہوں مجھے اتنی جلدی کہاں موت آنی والی ہے تو وہ بھی سیدھا نہیں ہوسکتا۔ کوئی طالب علم ابھی پڑھ رہا ہے اس کے ذہن میں ہو کہ میری تو بڑی لمبی عمر پڑی ہے ابھی میں نے کمانا ہے اس کے بعد شادی کرنی ہے۔ تو جب تک ذہن میں یہ بات نہ بیٹھ جائے کہ پتہ نہیں اگلا لمحہ آنا ہے یا نہیں آنا اُس وقت تک ہم دنیا کے دھوکے سے نہیں نکل سکتے۔ اور جیسے ہی انسان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ابھی میرے پاس کچھ وقت ہے اس کے بعد دنیا کا یہ دھوکا شروع۔

انسان جب یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ابھی دس سال زندہ رہنا ہے تو دس سال کے لیے تو مال چاہیے تو مال کی محبت پیدا ہوگئی، دس سال رہنے کے لیے گھر چاہیے، مسافر جو ہوتا ہے اس کو گھر کی ضرورت نہیں ہے وہ تو گزارا کرلے گا لیکن جو سمجھتا ہے کہ میری دس پندرہ سال عمر رہتی ہے اُس کو تو گھر چاہیے گھر کی محبت پیدا ہوگئی۔ پھر وہ لمبی لمبی اُمیدیں باندھے گا لمبی لمبی پلاننگ کرے گا۔ یہی بات نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمائی ہے جس کا مفہوم آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں

کہ اے مسلمانو! مجھے تمہارے بارے میں دو چیزوں کا خوف ہے: ایک ہویٰ اور ایک طول الامل۔ ہویٰ یہ ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے، جس کا نقصان یہ ہے کہ انسان پھر حق بات کی پیروی نہیں کرسکتا۔ دوسری چیز طول الامل کا معنی ہے کہ لمبی لمبی اُمیدیں باندھنا، دنیا کے بارے میں لمبی لمبی پلاننگ کرنا۔ جب انسان پلاننگ کرتا ہے تو اس کے اندر خود بخود یہ بات ہوتی ہے کہ ابھی میں زندہ رہوں گا، تبھی تو وہ پلاننگ کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ بیت المال کے ناظم سے اگلے مہینے کی تنخواہ ایڈوانس طلب کی کہ مجھے دے دی جائے، مجھے ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے لکھ کر دے دیں کہ آپ اگلے مہینے تک زندہ رہیں گے تو میں آپ کو تنخواہ دے دیتا ہوں۔ اسی پر انھوں نے تنخواہ لینے سے انکار کر دیا کہ کیا پتہ اگلے مہینے تک میں زندہ رہوں گا یا نہیں رہوں گا۔ تو دنیا کی زندگی کا سب سے پہلا دھوکا جس میں ہر شخص مبتلا ہے وہ سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ ہے کہ میں ابھی نہیں مروں گا، ابھی میرے پاس وقت ہے حالانکہ ہم میں سے ہر شخص کو اگلے لمحے موت کے لیے تیار رہنا چاہیے اور سوچتے رہنا چاہیے کہ اگر میں آج اور ابھی مر گیا تو میرا انجام کیا ہوگا؟ میرا انجام جنت ہے یا میرا انجام دوزخ ہے؟

دنیا کا دوسرا دھوکا اس کے برعکس ہے کہ دنیا کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے، دنیا تو بہت بُری چیز ہے۔ اور یہ دھوکا جب اہل ایمان کو لگا جیسے ماضی میں جب عیسائی اہل ایمان ہوتے تھے تو انھوں نے رہبانیت ایجاد کر لی کہ دنیا کو بالکل چھوڑ دینا چاہیے یہ بہت ہی بُری چیز ہے۔ دنیا میں بالکل مست ہو جانا یہ بھی ایک دھوکا ہے اور یہ بھی ایک دھوکہ ہے کہ دنیا کے بالکل قریب بھی نہ جانا۔

دنیا کو ہم نے استعمال کرنا ہے اور استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دنیا کی حقیقت کو سمجھیں۔ دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے دنیا کے دو پہلو ہیں۔ دونوں پہلوؤں سے دنیا کی حقیقت الگ الگ ہے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ دنیا بہ مقابلہ آخرت۔ اگر دنیا کو آخرت کے مقابلے میں رکھ کر سمجھیں گے تو پھر وہ سارے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں کہ دنیا حقیر ہے دنیا ذلیل ہے دنیا ختم ہونے والی ہے دنیا گھٹیا ہے دنیا قلیل ہے۔ اگر دنیا بہ مقابلہ آخرت کریں تو یہ سب الفاظ

درست ہیں۔ قرآن مجید اس بارے میں بار بار کہہ رہا ہے: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ، ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیں کہ دنیا کا متاع بہت قلیل ہے''۔ اور مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے''۔ اسی طرح ہم حدیث پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ تو یہ دنیا کی حقیقت آخرت کے مقابلے میں ہے۔ آخرت اتنی بڑی ہے اور آخرت کا اجرا تنا بڑا ہے اور آخرت کی عمر اتنی بڑی ہے کہ دنیا کو اس کے مقابلے میں دیکھیں تو دنیا قلیل ہے، حقیر ہے، ذلیل ہے، مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے، دنیا بکری کے مردہ بچے کے برابر بھی نہیں۔

دنیا کی حقیقت کا دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ ہے دنیا برائے آخرت یعنی اگر ہم دنیا کو آخرت کمانے کا ذریعہ سمجھ لیں تو دنیا سے اہم ترین چیز بھی کوئی نہیں ہے۔ اگر ہمیں کوئی نعمت دی گئی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ وقت ہے جو ہمیں اس دنیا میں گزارنے کے لیے دے دیا ہے۔ کوئی ایسا بچہ ہو سکتا ہے جو بہت لائق ہو، فائق ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے بہت عقل دی ہو لیکن اگر وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی دنیا سے چلا گیا تو اس کی وہ نعمت اس کے کام نہیں آئے گی۔ اصل نعمت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے عمر کے لحاظ سے ہمیں دے دی ہے۔ اور ہم وہ ساری باتیں یاد کر لیں جو وقت کی اہمیت کے حوالے سے ہیں۔ سورۂ مومنون میں ہے وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ اہل ایمان وہ ہیں جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو وقت کی اہمیت کا احساس ہے۔ اس دنیا کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اس کے بدلے میں ہم آخرت میں کتنے درجات بلند کر سکتے ہیں۔ صرف سبحان اللہ کہنے میں ذرا سا وقت لگتا ہے، اس کے بدلے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ جس آدمی نے اپنی زندگی کے کئی لمحات ضائع کیے ہیں وہ غور کرے کہ اگر اُس نے کوئی نیکی کی ہوتی، سبحان اللہ کہنا بھی نیکی ہے اس سے بڑے نیکی کام بھی ہیں جہاد، قتال، دعوتِ دین وغیرہ۔ اگر انسان وقت ضائع کرنے کے بجائے اس کو کسی نیک میں لگائے تو کتنی آخرت کما لے گا۔ تو دنیا برائے آخرت اس کو دیکھا جائے گا تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے اہم ترین چیز کوئی نہیں ہے، اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما آپس میں دوست تھے ان میں ایک دوست صحابی شہید ہو گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تجہیز و تکفین کر دی، اور اس کا دوسرا دوست صحابی ایک ہفتے یا دس دن بعد عام موت سے مر گیا۔ صحابہ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس بعد والے کو اپنے پہلے والے کے ساتھ ملا دے کہ وہ شہید ہے اُس کا بہت اونچا درجہ ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ دُعا کیوں کر رہے ہو؟ اِس نے جو دس دن کی نمازیں پڑھی ہیں اس کا اجر کہاں گیا؟ اور جو دس دن ذکر کیا ہے اُس کا اجر کہاں گیا؟ یعنی شہادت بہت بڑی چیز ہے لیکن دنیا میں دس دن مزید مل جانا اور نیکی کے ساتھ مل جانا یہ بہت زیادہ بڑی نعمت ہے۔ تو ہمارے پاس دنیا میں بہت قیمتی جو چیز ہے وہ وقت ہے۔ اور ہم اس کو ضائع کر رہے ہیں۔

دنیا کو ہم نے دو اعتبار سے سمجھنا ہے: ایک دنیا بہ مقابلہ آخرت۔ یعنی کوئی آدمی آخرت کو دے کر دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس اعتبار سے تو دنیا حقیر ہے، ذلیل ہے، اس کا آخرت کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم دنیا برائے آخرت سمجھیں یعنی دنیا کو آخرت کمانے کے لیے استعمال کریں تو اس اعتبار سے دنیا سے اہم ترین چیز کوئی نہیں۔ یہ دنیا کی حقیقت ہے اس پر ہمیں غور کرنا ہے۔ اگر ہم آخرت کو چھوڑ کر دنیا پر ہی دل لگائے ہوئے بیٹھے ہیں تو واقعی ہماری مثال کتے کی مثال ہے کہ ہم مردار کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اگر ہم دنیا کو استعمال کر رہے ہیں اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں تاکہ ہماری آخرت بن جائے تو اس سے بڑھ کر دنیا کا بہترین استعمال کوئی نہیں ہے۔

اس چیز کو ایک اور حوالے سے ہم سمجھیں کہ ہماری زندگی کی جو STAGES ہیں جب ہم پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جو ساری روحوں کو نکالا اور عہدِ الست لیا اور اس کے بعد ہمیں سلا دیا گیا۔ ہماری زندگی وہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اس دنیا میں آنے سے پہلے وہاں ہم کتنا عرصہ رہے؟ کسی کو نہیں معلوم، دس ہزار سال یا بیس ہزار سال۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں بھیج دیا۔ اس دنیا کی زندگی کا ہمیں معلوم ہے کہ پچاس یا ساٹھ یا سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ موت طاری فرما دیتا ہے اور انسان قبر میں چلا جاتا ہے پھر قبر کی زندگی ہے عالمِ برزخ ہے۔ اس کی لمبائی کیا ہوگی؟ اس کا بھی کوئی اندازہ نہیں کہ کتنی ہوگی، دس ہزار سال یا

بیس ہزار سال۔ پھر اللہ تعالیٰ حشر برپا فرمائیں گے، جس کی لمبائی ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اور اس کے بعد انسان کا انجام سامنے آجائے گا کہ وہ جنت میں جانے والا ہے یا دوزخ میں جانے والا ہے؟ اس کے بعد کے بارے میں جو الفاظ قرآن مجید استعمال کر رہا وہ تو اَبَدًا کے ہیں یعنی انسان یا تو ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں جائے گا یا دوزخ میں جل رہا ہوگا۔ تو اگر انسان کی اس پوری زندگی کو دیکھا جائے کہ جب میری روح پیدا ہوئی تھی اس کے بعد کبھی میری زندگی ختم نہیں ہونی، اس میں دنیا جو ہے وہ پچاس، ساٹھ، ستر یا سو سال کی زندگی ہے۔ کوئی آدمی آخرت کی ابدالآباد کی زندگی کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی میں عیش کرنا چاہے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ اربوں سال کی زندگی کو چھوڑ کر ساٹھ ستر سال عیش کر لے تو اُس نے کیا عیش کی؟ اس نے تو مچھر کے پر کے برابر بھی فائدہ نہ اُٹھایا۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ اربوں سال کی زندگی کے لیے جنت حاصل کرنی ہے اور اس کے لیے جو جمع پونجی دی گئی ہے وہ یہ ساٹھ ستر سال کی زندگی ہے۔

اس دنیا میں آنے سے پہلے ہر انسان برابر ہے جیسے نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: **کل مولود یولد علی الفطرۃ** دنیا میں جو کافر کے ہاں بھی پیدا ہوتا وہ بھی فطرتِ اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے، اور جو مومن کا بچہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں آنے سے پہلے ہم سارے برابر تھے، ہم سب نے عہدِ الست کیا تھا کہ اے اللہ! آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ لیکن یہ دنیا کی ساٹھ ستر سال کی زندگی ہم نے الگ الگ راہوں پر ڈال دی ہے کوئی آدمی نیک کام کرتا ہے اور وہ جنت کے راستے پر چلا جاتا ہے کوئی آدمی غلط کام کرتا ہے اور وہ دوزخ کے راستے پر چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی انسان جا رہا ہو آگے دوراہا آجائے بس وہاں سے انسان یا تو دائیں ہاتھ میں مڑ جائے گا یا بائیں ہاتھ میں مڑ جائے گا۔ اس دوراہے پر مڑنے میں کتنی دیر لگتی ہے؟ دس پندرہ سیکنڈ۔ آخرت میں جا کر انسان کو ایسے لگے گا کہ واقعی دنیا کے اندر میں اتنا ہی وقت گزار کر آیا ہوں دس پندرہ سیکنڈ۔ دائیں مڑنا تھا یا بائیں مڑنا تھا۔ اگر میں دائیں مڑ گیا ہوتا تو اب میں جنت میں جا رہا ہوتا اُس وقت میں نے غلطی کی اور میں بائیں طرف مڑ گیا۔ تو یہ دنیا کی حقیقت ہے۔ آخرت میں جب اُن لوگوں کو اس کا اندازہ ہوگا جو دنیا میں عیش کر کے آئے تھے اور

آخرت میں بُرے انجام سے دوچار ہورہے ہوں گے اُس وقت اُن کی زبان سے یہی نکلے گا کہ ہم نے دنیا میں کتنا عرصہ وقت گزارا۔ سورۂ مومنون کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھے گا: کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ۔ ہاں بتاؤ، تم کتنے سال دنیا میں رہ کر آئے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ ۔اے اللہ! گننے والوں سے پوچھ لیں، ہمیں تو لگتا ہے کہ ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ہی رہ کر آئیں ہیں۔ اُس وقت ......اربوں سال کی زندگی کے مقابلے میں پچاس ساٹھ سال انسان کو ایک دن کے برابر یا اس سے بھی کم محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جواب دیں گے اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۔اے لوگو! واقعی تم بہت تھوڑا رہ کر آئے ہو۔ لَوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کاش کہ یہ بات تمہیں دنیا میں ہی معلوم ہوتی۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دنیا کی حقیقت کو سمجھیں۔ دنیا کی حقیقت دو اعتبار سے ہے: اگر آخرت کو چھوڑ کر ہم دنیا اختیار کرنا چاہتے ہیں تو اس سے گھٹیا، اس سے ذلیل، اس سے کمتر اور اس سے حقیر چیز کوئی نہیں ہے لیکن اگر اس دنیا کو آخرت کمانے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں یعنی دنیا برائے آخرت ہم استعمال کررہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اہم ترین چیز کوئی نہیں دی، اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اس کو ہم نے اپنے استعمال میں لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کی اور صحیح طریقے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے! ہاں نیند تمھیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمھی کہہ دو یہی آئینِ وفاداری ہے؟
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

جوابِ شکوہ

عورت کی تعلیم۔ حُدود و قیُود

عامرہ احسان

(بشکریہ ماہنامہ نشور، کراچی، فروری 2021ء)

پاکستان کا عصری تعلیمی نظام بہت سے المیوں کا شکار ہے۔ گزشتہ 20 سالوں میں نصابی تبدیلیاں مسلسل نوجوان نسل کو نظریاتی اعتبار سے کھوکھلا اور بے جہت کرنے کے درپے ہیں۔ جو کسر باقی تھی شناخت تباہ کرنے کی وہ مخلوط تعلیم کے ذریعے پوری کر دی گئی۔ ہر سطح پر مخلوط تعلیم نے فکر و نظر میں انتشار بونے اور مغرب کی اندھی تقلید میں نسلوں اور خاندانی نظام کو تباہ کرنے کی شاہراہ پر تعلیمی نظام رواں دواں کر دیا ہے۔ برطانیہ سے منسلک او، اے لیول کے نصاب، بھاری بھرکم تعلیمی اخراجات نے والدین پر کمر توڑ معاشی بوجھ ڈالا۔ دو نتائج نکلے۔ بچوں کی تعلیمی ضروریات یا ماں کی (گھر چھوڑ کر) ملازمت سے پوری ہوں یا باپ جیسے تیسے رشوت نوعیت کی حرام کمائی سے بچے پڑھائے۔ ایک تنخواہ تو گھر بچے چلانے اور دوسری کمائی بیوٹیشن کی فیس کے لیے ضروری ہو گئی۔ جہاں سے بھی لائی جا سکے۔ گھر کی لڑکیاں بھی نوکریوں کی تلاش میں سپر سٹوروں کی سیلز گرل نوعیت کی ملازمت کی طرف چل دیں۔ (اس دوران بیوٹی پارلرز اور افزائش حسن کے رنگ برنگے اہتماموں کا خرچ مزید لاحق ہو چکا تھا)۔ مذکورہ بالا ضروریات نے خاندانی منصوبہ بندی اور بچے کم کی ترغیبی و تحریصی مہمات کی ضرورت ختم کر دی۔ لوگ اخراجات دیکھ کر از خود ڈیڑھ دو بچوں پر اکتفا کرنے لگے۔ اس پوری کہانی میں 'تعلیم' مرکزی نکتہ ہے۔

پریشانی یہ ہے کہ لڑکیوں کو مردانہ وار تعلیم دلانے کا شوق دیندار گھرانوں میں دنیادار

گھرانوں سے کچھ کم نہیں۔ تسلسل سے یہ مسائل سامنے آرہے ہیں کہ دینی مزاج رکھنے والی بچیاں والد صاحبان کی جانب سے اعلیٰ تعلیم کے لیے شدید دباؤ کا شکار ہورہی ہیں۔ ہر باپ یا اپنی بیٹی کو ڈاکٹر، انجینئر، وکیل بنانا یا سی ایس ایس کروانا چاہتا ہے، نہایت مردانہ ڈگریاں، اکاؤنٹنگ، فنانس، بزنس ایڈمنسٹریشن نوعیت کی دلوانا چاہتا ہے۔ مخلوط جامعات کی دلدل میں بیٹیاں دھکیل دیں۔ اب وہ جس کش مکش، جذباتی آزمائشوں کا سامنا کریں، ہراسانی ہی کا شکار ہوں (جواب معمولات کا حصہ بن چکی)۔ مگر اُف تک نہ کریں۔ بس ایک ڈگری ہاتھ آجائے جسے بیک وقت رشتہ مارکیٹ اور حجاب مارکیٹ سے کیش کروایا جاسکے۔ یہ ایک بنیادی اینٹ جب ٹیڑھی رکھ دی جاتی ہے تو زندگی کی پوری عمارت ہی پیسا ٹاور (اٹلی کا ٹیڑھا مینار جو عجائبات میں شمار ہوتا ہے) نما بن جاتی ہے۔ پیشِ نظر اس وقت دین دار والدین کو متوجہ کرنا ہے بالخصوص والد کو جنہیں اصلاً اللہ نے قوّام بنایا ہے۔ بچوں کی زندگی کے بڑے فیصلے شریعت کی بنیاد پر کرنا، نسلوں کو گمراہی سے بچانا، دُور اندیشی سے کام لینا انہی کی ذمہ داری ہے۔ مسئول بھی عنداللہ بدرجہ اولیٰ وہی ہیں۔ چہار جانب ڈگریوں کے ساتھ نتھی شوشا اور گلیمر شیطان کے وعدوں ہی کی ایک صورت ہے۔ اس نے غیر فطری زندگی کو مزیّن کر رکھا ہے۔ نظامِ تعلیم ڈگریوں کے حصول میں صرف بے پناہ پیسے کا اِتلاف ہی نہیں، عمر کے قیمتی سال بھی ایک کاغذ (ڈگری) کے حصول میں گنوانے کا سامان کر رکھا ہے۔ پہلے جو دو سال میں بی اے بی ایس سی کر کے بچی فارغ ہوجاتی تھی اب چار سال لگائے گی تو یہ کاغذ ہاتھ آئے گا۔ پہلے سادہ ڈاکٹری ایم بی بی ایس چل جاتی تھی۔ اب چار سال (ایف سی پی ایس) دل و دماغ ہوش و حواس گم کرنے کا سامان ہسپتالوں کی کٹھن چکر روٹین میں ہوگیا ہے۔ ہر کس و ناکس سپیشلائز کرنے کی دیوانگی میں فیسیں بھر بھر کر عمر عزیز کے قیمتی ترین 5-4 سال اس کی نذر کرے تو ڈاکٹری مانی جائے گی۔

اس پورے منظر نامے میں شادی، گھر آباد کرنا، صاحبِ اولاد ہونا اور اپنے ہاتھوں اس کی پرورش و پرداخت دیوانے کا خواب بن گیا۔ نہ اُگلے بن پڑے نہ نگلے۔ والدین اور لیڈی ڈاکٹر طلب سسرال، ابتداء تو جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بہت جلد حقیقت حال انہیں دن میں تارے دکھاتی ہے۔ جانِ ناتواں لیڈی ڈاکٹر جب شوہر، سسرال، میکہ اور بچہ (اگر اس دوران

وارد ہوجائے تو مامتا اور دودھ سے محروم پلے گا)۔ ہسپتال کی دیوانی ڈیوٹیوں کے ساتھ نہانے میں چڑ چڑی، صحت خراب، ٹینشن کا گولا بنی پھرتی ہے۔ خواب چکنا چور اور محبت ساتھ چھوڑنے لگتی ہے۔ یہ ٹریننگ خود ڈاکٹرز میں غیر انسانی شب و روز کے کٹھن چکر کا نام ہے۔ 36 گھنٹے کی لگاتار ڈیوٹیاں (خصوصاً گائنی، سرجری جیسی فیلڈ میں) اس دوران سونے کو چند گھنٹے میسر آجائیں تو بڑی نعمت ہے۔ چکراتے دماغ اور پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ گھر آنے والی ڈاکٹر گھر والوں کو کیا سکھ دے سکتی ہے، سمجھنا مشکل نہیں۔ دجالی فتنوں میں سے ایک یہ نظام کمر توڑ، گھر توڑ، ایمان شکن ہے۔ سی ایس ایس کروا کر مردانہ وار دفاتر میں کام کرنے والی لڑکی کے شب و روز اس دیوانگی سے کچھ بہتر بھی ہوں تو یہ ضرور سوچیے کہ شریعت کے نکتہ نظر سے یہ بی بی کہاں کھڑی ہیں؟ ایک مرتبہ ایسی ہی ایک تازہ وارد کمشنری پر ماموں لڑکی کو بھرے مظاہرین کے مجمعے میں گھری کمزور نسوانی آواز میں مطالبات پر بھاشن دینے کا منظر ایک چوراہے پر دیکھا تھا جو قابل رحم بھی تھی اور شرمساری کا سامان بھی۔

ہسپتالوں کے ماحول میں شرعی حدود کی پامالی ایک بھاری المیہ اور علیحدہ موضوع ہے! یہ نظام ہائے تعلیم، تربیت، ملازمت سب مغرب سے مستعار ہیں۔ لنڈے کی جینز اور ٹی شرٹ کی طرح جو لڑکیاں پہنے پھر رہی ہیں اب جہاں عورت، مردانہ عورت ہے، نسوانیت سے عاری، مرد کی برابری میں اسے سبھی کچھ کر کے دکھانا ہے۔ شادی، گھر، خاندان، بچے اس کی ترجیحات میں شامل نہیں۔ اس لیے بہ سہولت پارٹنر شپ کا نظام آچکا ہے جس میں نہ نکاح ہے نہ طلاق نہ اولاد نہ میکہ نہ سسرال صرف ملازمت ہے۔ ع اور لے آئیں گے بازار سے گر ٹوٹ گیا کے اصول پر یہ جامِ سفال ہے۔ صرف کچا ہی نہیں سفلی بھی ہے۔ ہم اسپیشلسٹ بھی لائیں اور پراٹھے بھی پکوائیں، بچے بھی پلوائیں، برتن کپڑے بھی دھلوائیں، یہ ممکن نہیں۔ ایک ایسی ہی ڈاکٹر صاحبہ کے شوہر کا آپریشن تھا تو ڈاکٹر کی باس (افسرنی) نے کہا۔ تمہارے شوہر کو پتہ ہونا چاہیے کہ اس کی بیوی گھریلو خاتون نہیں جو اس کے سرہانے ڈیوٹی دے، یخنیاں پلائے ناز برداری کرے۔ یاد رہے کہ یہ افسرنی طلاق یافتہ تھی اور زیر تربیت خواتین کے لیے بھی یہی راہ ہموار کرنے پر کمر بستہ رہتی تھی۔ سو عورت کی تعلیم کے حوالے سے غیر فطری، غیر شرعی میدانوں کا انتخاب کم از کم دین دار گھرانوں کو

زیبا نہیں۔ علامہ اقبال نے ایک صدی پہلے جو کچھ بھانپ لیا تھا۔ نثر و نظم دونوں میں تنبیہات کر دی تھیں انہیں عام بھی نہ کیا گیا اور ان پر کان بھی نہ دھرا گیا۔ آج کم و بیش دو نسلوں سے اس کے نتیجے میں (معاشرے سے فل ٹائم ماں، عنقا ہو جانے پر) ہم نتائج بھگت رہے ہیں۔ انسانم آرزوست، انسان کی تلاش میں چراغ لے کر نکل جائیے، خالی ہاتھ ہی لوٹیں گے۔ حکمرانی، سیاست، بیورو کریسی، ہر شعبہ زندگی میں سیرت و کردار کا بحران ہے۔ اقبال کے چند فرمودات ملاحظہ فرمائیے جو براہِ راست مغرب کے مشاہدے کے نتیجے میں رقم فرمائے گئے: ''میں اس خیال سے لرزہ براندام ہو جاتا ہوں کہ عورتیں قوت لا یموت کا خود بندوبست کریں۔ اس طرزِ عمل سے نسائیت کا جو ہر تباہ و برباد ہو جائے گا''۔ (تجلیاتِ اقبال)

'اقبال مرد و زن کی ترقی نشو و نما اور تعلیم و تربیت کے لیے جداگانہ میدانِ عمل کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جسمانی طور پر ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور فرائض کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ وہ عورتوں کے لیے ان کی طبعی و فطری ضروریات کے مطابق الگ نصابِ تعلیم اور الگ نصاب چاہتے ہیں۔ (فقیر سید وحید الدین، روزگارِ فقیر جلد اول)۔

مسلمانوں نے دنیا کو دکھانے کے لیے دنیوی تعلیم حاصل کرنا چاہی، لیکن نہ تو دنیا حاصل کر سکے اور نہ دین سنبھال سکے۔ یہی حال آج مسلم خواتین کا ہے جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دین بھی کھو رہی ہیں۔ (اقبال اور بھوپال)

اقبال اِسے کلیتاً مرد کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں (قرآنی تعلیمات کے مطابق) کہ وہ تمام تر اخراجات مہیا کرے (اسی پر اسے قوّام کا رتبہ دیا گیا ہے) وہ عورتوں کی آزادی/ بے راہ روی کا ذمہ دار مردوں کو قرار دیتے ہیں۔

ے نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہبان ہے فقط مرد

اس پر ان کے ہاں کوئی اِبہام نہ تھا کہ عورت کی بے محابا آزادی قوموں کی موت کا سامان لاتی ہے۔ ''عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمہ داریاں (انسان سازی) عائد کر رکھی ہیں کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی

نہیں مل سکتی۔ اگر اسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگایا جائے جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہوگا۔ مثلاً عورت کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے۔ اسے ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش ہے"۔ (روزگارِ فقیر)

اقبال بروقت یہ سب کہہ لکھ کر رخصت ہو گئے ورنہ آج ہوتے تو دل کا دورہ پڑنے سے سدھارتے۔ عورت کو 'ترقی' کی ہمہ نوع منزلیں سر کرتے دیکھ کر کہ وہ (عورت) ہر جا موجود ہے سوائے اپنے فرضِ اوّلین کے مقام پر ہونے کے!

یہ چند سطور دین دار خاندانوں کو مخاطب کر کے تحریر کی گئی ہیں۔ مخلوط تعلیم اور اعلیٰ تعلیم، کیریئرز میں بچیوں کو جھونکنے سے پہلے اللہ، رسول ﷺ کی اصل تعلیمات (غامدی صاحب جیسے نام نہاد مجتہدین سے بچتے ہوئے) سے استفادہ فرمائیے۔ ہمارے ہاتھ شریعت سے بندھے ہوئے ہیں۔ انحراف صرف آخرت تباہ نہیں کرتا، دنیا میں بھی در بدر کر دیتا ہے۔ خَسِرَ الدُّنیَا وَ الْآخِرَۃ ۔اللہ ہماری رہنمائی فرمائے۔ ہمیں دنیاوی چکا چوند کی اسیری سے محفوظ و مامون رکھ کر لازوال جنتوں اور اپنی رضا کا مشتاق بنائے۔ آمین

ماہِ رمضان المبارک کے تقاضے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔۔لمحہ فکریہ!

ابوفیصل محمد منظور انور

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود (اقبال)

رمضان المبارک فیوض و برکات کا مہینہ ہے، جس میں نزولِ قرآن ہوا اور اس میں روزے رکھنا فرض کیا گیا۔ روزہ دراصل ایک روحانی تربیت ہے۔ ارکانِ اسلام میں روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کو تمام عبادات کا سردار کہا جا سکتا ہے۔ حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کسی ایسے کام کا حکم دیجیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَلَيْكَ بِالصِّيَامِ فَإِنَّهٗ لَا مِثْلَ لَهٗ۔ تم روزوں کو لازم پکڑو، کیونکہ اس جیسا کام کوئی نہیں ہے۔ (سنن نسائی)

روزے کے مقبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان حلال روزی کمائے۔ محض کھانے پینے کو ترک کر دینے کا نام روزہ نہیں بلکہ آنکھ، دماغ، منہ اور ہاتھ پاؤں سمیت تمام اعضاء کی حفاظت کی جائے تو روزہ درست ہوتا ہے۔ لہٰذا روزہ دار کو چاہیے کہ اپنے جسم کے ہر عضو کو کنٹرول کرے۔ ماہِ رمضان کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں روزہ دار کی فرض عبادت کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ سنتوں کا ثواب فرائض اور نوافل کا ثواب سنتوں کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ ماہِ مبارک کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور آخری عشرہ دوزخ سے نجات کا ہے۔ صرف افطاری کے وقت ایسے ہزاروں افراد بخش دیے جاتے ہیں جن پر دوزخ واجب کر دی گئی

ہو۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جس نے اپنی زندگی میں رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی۔

آدھا ماہِ رمضان گزر گیا۔ چند دن بعد عیدالفطر کی آمد آمد ہے اور ہمارے ہاں رحمتوں، بخششوں اور معافیوں کا سامان لے کر آنے والے ماہِ صیام میں کیا ہو رہا ہے؟ آمد رمضان المبارک کے ساتھ ہی مہنگائی کا جن بوتل سے باہر نکل آیا ہے جسے کنٹرول کرنے کی کوششیں ناکام جارہی ہیں۔ بددیانت عناصر اپنی روش بدلنے کو تیار نہیں۔ ایک غیر مسلم ملک آسٹریلیا کے تاجروں نے مسلمانوں کے ساتھ اظہار یک جہتی کرتے ہوئے رمضان المبارک میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں 50% تک کمی کا اعلان کردیا ہے۔ مگر کلمہ طیبہ کا ہمہ وقت وِرد کرنے والے ایک مسلمان ملک کے تاجروں نے حسب روایت عام حالات کے مقابلے میں ماہ صیام کے آنے سے قبل ہی اشیائے خوردونوش اور اشیائے صرف کی قیمتیں انتہائی حد تک بڑھا دیں۔ مجھے اس وقت بڑا تعجب ہوا جب گوالے نے رمضان کے پہلے ہی دن دودھ کی قیمت دس روپے فی لیٹر بڑھانے کی اطلاع کردی۔ اسی مہینے میں درزیوں نے ایک سو روپے فی جوڑا سلائی بڑھانے اور مٹھائی فروشوں نے بھی قیمتیں بڑھانے کا اشارہ دے دیا ہے۔ اس مقدس مہینے اور عیدالفطر کے اسلامی تہوار کو ہمارے تاجروں اور دکانداروں نے کمائی کا سیزن بنا رکھا ہے۔ کراچی کے ایک تاجر رہنما کی ویڈیو موجود ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اس ایک مہینے اور عیدالفطر کے ایام کی کمائی سارے سال کی آمدنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارا تاجر طبقہ ہوسِ زر میں کس قدر گر چکا ہے کہ وہ سارے سال کے عام دنوں کے مقابلے میں ماہِ مبارک اور اسلامی تہوار عیدالفطر کے ایام میں ناجائز منافع خوری کر کے اپنی جیبیں بھرتا ہے۔ اللہ کی پناہ! خاص و عام یہ کیسے انسان ہیں جو ناجائز منافع خوری کر کے دوسروں کی جیبیں کاٹ کر اور انھیں اَذِیتیں دے کر اس کمائی پر خوش ہوتے ہیں ان کا ضمیر ان کو ملامت نہیں کرتا؟۔ عاقبت نا اندیش بددیانت تاجروں کی یہ روش برسوں سے جاری ہے کہ ہر سال ماہِ صیام میں پہلے کی نسبت اشیائے صرف کی قیمتیں بڑھا دی جاتی ہیں اور امسال بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ہمارے ایمان و اسلام کا معیار کیا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ، کم تولنے، جعلی ادویات کی تیاری اور فروخت، چوریاں، ڈکیتیاں، لوٹ مار کرنے

اور کمسن بچوں، بچیوں اور حوا کی بیٹیوں کو بے آبرو کر کے قتل کرنے کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہمارے معاشرتی اخلاقی انحطاط کا عکاس ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم کسی ایسے معاشرے کا حصہ ہیں جہاں جنگل کا قانون نافذ ہیں اور عدل و انصاف فراہم کرنے والے ادارے موجود ہی نہیں ہے۔ رمضان المبارک ہمیں صبر و تحمل، غمگساری اور ہمدردی کا درس دیتا ہے مگر ہم عملی طور پر ان اوصافِ حمیدہ کو اپنانے سے دور ہی رہتے ہیں اور وہ سارا کچھ کر گزرتے ہیں جس سے منع فرمایا گیا اور اس طرح رمضان المبارک کی روح کے منافی ہی سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ عوام کی اکثریت ماہِ صیام کی برکتیں، رحمتیں، بخششیں اور مغفرت سمیٹنے کی بجائے جہنم کے دروازے پر دستک دینے کو بے چین نظر آتی ہے۔

افسوس کہ ہمارے معاشرے میں اربوں کھربوں کی لوٹ مار کرنے والی اشرافیہ اور اداکار (میراثی اور کنجر) قسم کے لوگوں اور ناچنے گانے والوں کو آئیڈل بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور انھیں وی آئی پی درجے کا پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ تین بار وزیر اعظم بننے والے نواز شریف اور صدر پاکستان ایسے اعلیٰ منصب پر فائز رہنے والے مسٹر آصف علی زرداری اینڈ کمپنی کی لوٹ مار کے خلاف درج مقدمات اور عدالتوں میں پیشیوں پر مکمل وی آئی پی پروٹوکول، عدالتی ٹرائل کا ڈرامہ اور پھر اعلیٰ عدلیہ کی آشیر باد سے سزا یافتہ کئی بڑے مجرموں کی بغیر زرِ ضمانت بیرون ملک روانگی ہمارے نظامِ عدل پر سوالیہ نشان ہے۔ یہاں امیر و غریب کے لئے عدل و انصاف کے پیمانے الگ ہیں۔ موجودہ احتسابی ڈرامہ عوام کو ٹرک کی بتی کے پیچھے لگانے کا معاملہ لگتا ہے کہ کئی سال گزرنے کے باوجود اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مجرموں کی اکثریت ضمانت پر رہا ہو چکی ہے اور اکثر مجرم لوٹی ہوئی دولت کے سہارے ملک و بیرون ملک عیش کی زندگی گزار رہے ہیں یا پھر اقتدار کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ حالیہ عدالتی فیصلوں سے عیاں ہوتا ہے کہ ہم نظامِ عدل و انصاف کے اعلیٰ معیار اور اسلامی اخلاقی اقدار سے کوسوں دور ہیں۔ کاش ان عناصر کو اس ماہ مبارک میں توبہ تائب ہونے کی توفیق مل جائے کہ ملک و قوم کا لوٹا ہوا سرمایہ واپس کر دیں اور اپنی عاقبت سنوار لیں۔

برسوں سے روایت چلی آ رہی ہے کہ کرکٹ کے میچز کے لئے فنڈنگ کرنے والے اسلام دشمن سپانسرز اس مقدس مہینے کے شب و روز کو کھیل تماشے کا رنگ دینے میں کوئی کسر نہیں

چھوڑتے۔ الیکٹرانک میڈیا چینلز اور کیبل والوں کا تو شاید خدا کے احکام پر ایمان ہی نہیں ہے جو عوام کو دین و مذہب سے بیزار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دے رہے۔ رمضان ٹرانسمشن میں شوبز دنیا کی اداکاراؤں کو، جو سارا سال رقص وسرود کا کام کرتی ہیں، بناؤ سنگھار کروا کر بٹھا دیا جاتا ہے اور عریانی اور فحاشی کے مناظر دکھا کر مقدس لمحات ضائع کرادیے جاتے ہیں۔

معاشرے میں بڑھتی ہوئی مصنوعی مہنگائی، بے دینی، بے حیائی اور عریانی و فحاشی پر سنجیدہ حلقے اور مذہبی طبقہ بھی خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہے۔ یہ صورت حال پوری قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ احکاماتِ الٰہی کی مسلسل خلاف ورزیوں کے باعث شاید اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے ناراض ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں اور دشمنانِ اسلام کے لئے تر نوالہ بن کر رہ گئے ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کے ظلم و بربریت کے واقعات بھی ہمیں بداعمالیوں سے نہ روک سکے ہیں۔ دنیا بھر کے مسلم ممالک میں کونسا اسلامی ملک ہے جہاں اسلامی نظام نافذ ہے؟ کیا تمام فیصلے اس قادرِ مطلق کی آخری کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید کے احکامات کے مطابق ہو رہے ہیں؟ ہمیں ماہِ رمضان کی مبارک گھڑیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے طور طریقے بدلنے چاہئیں۔ ماہ رمضان کے تقدس کا خیال رکھیں، قانون وانصاف کی بالادستی قائم کر کے احتسابی عمل کو نتیجہ خیز بنائیں۔ فضول قسم کے شغل میلوں اور لغویات کو روکنے کے لئے سخت اقدامات کریں۔ تاکہ ہماری نوجوان نسل اس مہینے کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہوسکیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ماہِ صیام میں اپنی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں۔ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا عزم کریں۔ ہر معصیت اور گناہ سے دُور رہیں۔ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے صدقہ وخیرات کریں۔ دینی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ فرائض کے ساتھ ساتھ سنتوں اور نوافل کا بھی اہتمام کریں اور اپنی اصلاح کے لئے حتی المقدور کوششیں کریں تاکہ جہنم کی پرخار وادی سے نجات پا کر ابدی زندگی کی لذتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔ کثرت سے اور اجتماعی سطح پر توبہ واستغفار کی ضرورت ہے۔ اپنی غلطیوں لغزشوں اور گناہوں کی معافی مانگیں تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو درپیش مسائل اور اغیار کی غلامی سے نجات دلائے، آمین۔

رسید تحائف

قرآن اکیڈمی جھنگ میں ہمارے بہی خواہوں اور محسنوں کی شفقت سے بہت سی کتابوں کے تحائف موصول ہوتے ہیں۔ ان سطور میں ہم ان تحائف کی رسید کے ساتھ اپنے محسنوں کے بے حد مشکور ہو کر سراپا زیر بار احسان ہیں۔ ان کتب کو افادۂ عام کے لیے اکیڈمی کی لائبریری میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

1 سیرتِ رحمتِ عالم ﷺ

مولف: پروفیسر عبدالقیوم

ناشر: بزمِ اقبال، 2۔کلب روڈ، لاہور

یہ کتاب پروفیسر عبدالقیوم کی تالیف ''تاریخ اسلام'' کا ایک حصہ ہے۔ اس میں قدیم تہذیبوں اور جزیرۂ عرب کے مختصر تعارف کے بعد نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو سات ابواب میں بیان کیا گیا ہے: (۱) ابتدائی حالات (۲) بعثتِ نبوی (۳) مدینہ میں ورودِ مسعود (۴) غزوات (۵) فتح مکہ سے وفات تک (۶) اسلامی تعلیمات اور (۷) اخلاقِ نبوی۔ بنیادی طور پر یہ کتاب سکول و کالج کے طلباء و طالبات کے لیے مرتب کی گئی ہے تاہم عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ہے۔ (صفحات: 332۔ قیمت: 500 روپے)

2 آہنگِ کتب

3 تحفۂ قرطاس و قلم

4 مخزنِ کتب

5 عرفانِ کتب

6 طائرِ افکار 7 لیاقتِ کتب

مصنف: ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم

ناشر: مثال پبلشرز، امین پور بازار، فیصل آباد 0300-6668284

یہ بات جناب ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم صاحب کی کتاب دوستی کے ساتھ ان کے کتاب لکھنے والوں کا قدر شناس ہونے کی بھی دلیل ہے کہ دوست واحباب کی طرف سے ان کو کتب موصول ہوئیں تو انھوں نے ان کے تعارف اور تبصروں پر متعدد کتابیں شائع کر دی۔ اس سلسلہ کی ان کی چھ کتابوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے۔

- ''آہنگ کتب'' میں 2000ء سے 2009ء تک موصولہ، 19 مصنّفین کی 28 کتب کا تعارف اور تبصرہ شامل کیا گیا ہے۔ (صفحات: 182، قیمت: 500 روپے)
- ''تحفۂ قرطاس وقلم'' میں 2010ء سے 2015ء تک موصولہ، 26 مصنّفین کی 38 کتابوں کا تعارف اور تبصرہ شامل کیا گیا ہے۔ (صفحات: 216، قیمت: 800 روپے)
- ''مخزنِ کتب'' میں 2016ء سے 2017ء تک موصول ہونے والی، 27 مصنّفین کی 40 کتابوں کا تعارف اور تبصرہ شامل کیا گیا ہے۔ (صفحات: 272، قیمت: 1000 روپے)
- ''عرفانِ کتب'' میں 2018ء میں موصول ہونے والی، 29 مصنّفین کی 44 کتابوں کا تعارف اور تبصرہ شامل کیا گیا ہے۔ (صفحات: 248، قیمت: 600 روپے)
- ''طائرِ افکار'' میں 2019ء میں موصول ہونے والی، 43 مصنّفین کی 55 کتابوں کا تعارف اور تبصرہ شامل کیا گیا ہے۔ (صفحات: 360، قیمت: 1000 روپے)
- ''لیاقتِ کتب'' میں 2020ء میں موصول ہونے والی، 23 مصنّفین کی 33 کتابوں کا تعارف اور تبصرہ شامل کیا گیا ہے۔ (صفحات: 232، قیمت: 800 روپے)

تبصرہ و تعارف کتب

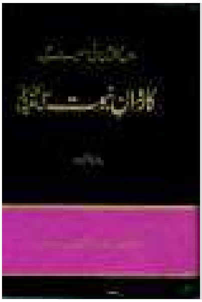

1

رُوح الامین کی معیت میں

کاروانِ نبوت ﷺ (جلد۱۰)

تالیف: پروفیسر ڈاکٹر تسنیم احمد

ناشر: مکتبہ دعوۃ الحق، اٹاوہ سوسائٹی، سمن آباد کراچی

تبصرہ نگار: عبدالمجید کھوکھر

زیرِتبصرہ کتاب، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر، نزولِ قرآن مجید کے پس منظر میں لکھی جانے والی روداد کی دسویں جلد ہے۔ اس جلد میں رمضان ۲ ہجری سے رمضان ۵ ہجری تک کے حوادث و واقعات و تنزیلات کا بیان 15 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) نزولِ قرآن بدر تا خندق (۲) باہم شادی و غم و کشاکش پیہم (۳) غالب آنے کی خوشخبری سورۃ الصّف (۴) مدینہ میں زندگی کا کارواں (۵) غزوۂ اُحد (۶) مالک الملک کا جنگِ اُحد پر تبصرہ (۷) قانونِ وراثت اور شادیوں کے ضابطے (۸) اُحد سے بھی ہیں کچھ شدید تر ایامِ غم، بئر معونہ (۹) یہود کو تنبیہ (۱۰) زخمی شیر کا جوابی حملہ۔ غزوہ بنی نضیر، غزوہ نجد (۱۱) مالک الملک کا بنونضیر کی جلاوطنی پر بیانیہ (۱۲) غزوہ بدر ثانیہ (۱۳) عملی منافقین پر زجر و توبیخ (۱۴) معاشرتی ہدایات اور اصول و ضوابط (۱۵) سورۃ النساء کی اختتامی ہدایات۔

اس جلد میں اسلام کو ایک عملی دین کے طور پر واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام محض چند عبادات و رسومات کا یا ایک ذاتی خانقاہی مذہب نہیں ہے، سیرت کا مطالعہ کر کے دیکھو کہ صاحبِ درود و سلام کس انداز سے کارزارِ زندگی میں دین اسلام کو نافذ کرنے کے لیے کیسے

مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہے اور کیسے مشرک دشمنوں سے میدانِ قتال میں نپٹ رہا ہے اور اپنے شہر میں رہتے ہوئے کیسے منافقین اور اہلِ کتاب کے ساتھ صاف ستھری سیاست کرکے گندی سیاست اورسازش کرنے والوں کو مات دے رہا ہے۔ ویسے تو ہر مسلمان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے خاص طور پر اُن حضرات کے لیے اس میں بہت رہنمائی ہے جو دین اسلام کے غلبے کی تمنا رکھتے ہیں اور اس کے لیے اپنی صلاحیتیں کھپانا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر تسنیم احمد صاحب اور ان کے معاونین لائق صد تحسین ہیں کہ تھوڑے عرصہ میں اہم موضوع پر ایک نایاب کتاب کی مسلسل اشاعت کی دس ضخیم جلدیں شائع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور باقی کام کے لیے مزید آسانیاں اور وسائل میسر فرمائے۔

(صفحات:408 اور قیمت -/850 روپے)

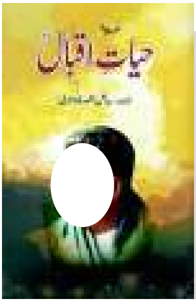

2 حیاتِ اقبال

مولف: ریاض احمد چودھری

ناشر: بزمِ اقبال، 2۔کلب روڈ، لاہور

تبصرہ نگار: حافظ عطاء الرحمٰن

اس کتاب میں جناب ریاض احمد چودھری صاحب نے مفکّر ومصورِ پاکستان حضرت علامہ اقبال کی زندگی کے حالات وواقعات (از ولادت تا وفات) اور ان کی تعلیمات اور فکر کو عام فہم اور آسان انداز میں بیان کیا ہے۔ رُبع صدی قبل تک ہمارے تعلیمی اداروں میں علامہ اقبال کی شخصیت اور اُن کے عظیم کارناموں پر تقریری اور تحریری پروگرام اور ان کے کلام کو پڑھنے اور یاد کرنے کے مقابلے ہوتے تھے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کا جذبہ پایا جاتا تھا لیکن افسوس کہ اب ہمارے یہ ادارے اور نصابی کتابیں اس عظیم شخصیت کے تذکرے سے بھی خالی ہوتی جا رہی ہیں۔ مولف کتاب (ڈائریکٹر بزمِ اقبال) نے یہ کتاب شائع کرکے گویا اس چراغ کو روشن رکھنے کی سعی مشکور کی ہے اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کتاب کو عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے نوجوانوں میں یہ شعور بیدار ہو کہ حضرت علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ریاست کے قیام کا مطالبہ کیوں کیا تھا اور وہ اس ریاست

میں کیسا نظام چاہتے تھے؟۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کے بانیان علامہ اقبال اور قائداعظم کی جو اسلامی سوچ اور فکر تھی اسی پر عمل پیرا ہونے سے ملک میں امن وسلامتی قائم ہوگی، اور یہ استحکام اور ترقی کا ذریعہ بنے گا، اور اس حقیقت کو ہم جتنا جلدی سمجھ جائیں اتنا ہی ہمارے لیے بہتر ہوگا۔ ہمارے نزدیک علامہ اقبال کے فکر کے فروغ کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ کلامِ اقبال کی پبلشنگ پر ان کی اولاد کے لیے رائلٹی کا مسئلہ ہے۔ حکومت پاکستان اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرکے کلامِ اقبال معیاری طریقے پر خود چھاپ کر خود عام کرے تاکہ علامہ اقبال کا فکر اندرونِ ملک وبیرونِ ملک عام ہوسکے۔ (صفحات:192، قیمت:500 روپے)

3 کتابی سلسلہ جہانِ نعت کراچی

عبدالرشید ساقی حمد ونعت نمبر (جنوری تا جون 2021ء)

مدیر: محمد رمضان میمن

ناشر: جہانِ نعت، شارع مسجد حدیبیہ، گلشن حدید، ضلع ملیر، کراچی

یہ کتاب فروغِ نعت کے لیے کوشاں کتابی سلسلہ 'جہانِ نعت' کا تیرھواں خصوصی شمارہ ہے، جو نعت اور غزل گو شاعر جناب عبدالرشید ساقی مرحوم (۱۹۲۶ء۔۲۰۱۹ء) کی شخصیت، ان کی نعتیہ شعری پر مقالات ومضامین، ان کی ادبی تحریروں، ان کے حمدیہ ونعتیہ کلام اور ان کے اعزاز میں منعقدہ تقریبات کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ موصوف فروغِ حمد ونعت کی تنظیم 'بزمِ حمد ونعت اسلام آباد' کے تیسرے صدر تھے اور ان کے دیگر شعری مجموعوں کے علاوہ تین نعتیہ مجموعے بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئے اور ان تینوں پر وزارتِ مذہبی اُمور اسلام آباد کی جانب سے انھیں اوّل انعام یافتہ ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ ادارہ 'جہانِ نعت' کے چیئرمین جناب حاجی محمد رمضان میمن صاحب کی یہ کاوش لائق صد تحسین ہے کہ وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی نعت کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں اور ششماہی کتابی سلسلہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب ہر لائبریری اور کتب خانہ کے لیے ناگزیر ہے۔ (صفحات:256، قیمت:200 روپے)

جاہل بڑھیا

حکایت مولانا رومیؒ

بادشاہ کے محل سے شاہی باز اُڑ کر کہیں چلا گیا۔ بادشاہ سلامت کو اس شاہی باز سے بڑی محبت تھی اس لیے وہ خود اسے تلاش کرنے محل سے نکل پڑا۔ باز اُڑ کر ایک بڑھیا کے گھر جا پہنچا۔ بڑھیا اس خوبصورت پرندے کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔ اسے پکڑ کر کہنے لگی، تو کس نااہل کے ہتھے چڑھا ہوا تھا؟ ہائے ظالم نے تیری قدر نہ جانی، تیرے ناخن اور پر کس قدر لمبے ہوگئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے باز کے پاؤں باندھے اور اس کے پر اور ناخن کاٹ ڈالے۔ یہاں رومیؒ نے ایک شعر لکھا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ''جاہل اگر تجھ سے محبت بھی کرے گا تو اپنی جہالت کی وجہ سے تجھے تکلیف دے گا''۔ بادشاہ سارا دن باز کو تلاش کرتے کرتے آخر کار اس بڑھیا کے گھر پہنچا۔ باز کو اس قدر برے حال میں دیکھ کر بادشاہ کے آنسو نکل آئے۔ بادشاہ باز سے کہنے لگا: ''حقیقت میں تیری اس بے وفائی کی یہی سزا ہے، کیونکہ تو ہماری وفاداری پر قائم نہ رہا''۔ باز اپنے پروں کو بادشاہ کے ہاتھ پر ملنے لگا، اور زبانِ حال سے کہنے لگا کہ ''میں نے آپ سے جدائی کا نتیجہ دیکھ لیا، یہ مجھ سے سخت خطا سرزد ہوئی۔ اے بادشاہ! میں شرمندہ ہوں، معافی کا طلب گار ہوں اور تجھ سے نیا عہد و پیمان کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کروں گا۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا تو میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔ کسی اور کے دروازے پر بیٹھ جاؤں گا، اگر تیرا لطف و کرم میرے شامل حال ہو جائے تو ناخنوں اور پروں کے بغیر بھی میں شہباز ہوں''۔ باز کی پشیمانی اور گریہ زاری دیکھ کر بادشاہ کو رحم آ گیا، دل میں باز کی پہلے جیسی محبت جاگ اُٹھی۔ بادشاہ نے پھر باز کو اپنا محبوب بنا لیا۔ یہاں رومیؒ ایک اور شعر لکھتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ''جو شخص کسی جاہل کی صحبت اختیار کرے گا اس کا یہی حال ہوگا، باز جیسا واقعہ اس کے ساتھ بھی پیش آ سکتا ہے۔ باز کے پر اور ناخن ہی تو اس کے کمالات تھے، جن سے وہ شکار کرتا ہے، جاہل بڑھیا کو وہی کمالات معیوب نظر آئے، جس کی وجہ سے ظالم نے باز کو بالکل ہی بے کار کر دیا''۔

درسِ حیات: یہ دنیا بھی جاہل عورت کی مانند ہے، جو شخص اس کی جانب مائل ہوگا، اس کے پر کاٹ دیے جائیں گے، اس کی اصل خوبی یعنی باطنی حسن ضائع ہو جائے گی اور پھر وہ اپنے رب کی نظروں میں گر جائے گا۔ لہٰذا فوراً اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر، رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر اصل زندگی کا آغاز کر، ورنہ اس دنیا میں ہی بھٹکتا رہ جائے گا۔ ایک در سے دوسرے در تک پھرتا رہے گا مگر کوئی کہیں ٹھکانہ نہیں ملے گا۔ جب انسان پشیمانی کے ساتھ معافی کا طلب گار رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں آ جاتا ہے۔ وہ دل سے سجدہ ریز ہونے والے کا دامن رحمت سے بھر دیتا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ ہونہار، لاہور، مارچ 2021ء)

آزمائش کی اس گھڑی میں اللہ کی طرف رجوع

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (اپنے لیے دُعا مانگتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی پڑھتے تھے، وہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں اپنی دُعا کا چوتھائی حصہ آپ پر درود کے لیے مقرر کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: جو تمہاری مرضی، اگر زیادہ کردو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے پوچھا: آدھا؟ آپ نے فرمایا: جو تمہاری مرضی، اگر زیادہ کردو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے پوچھا: دوتہائی؟ آپ نے فرمایا: جو تمہاری مرضی، اگر زیادہ کردو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنی ساری دعا آپ کے لیے مقرر کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تیرے غم کی کفایت کی جائے گی اور تیرے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (ترمذی)

حدیث قدسی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

”جس کو قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کردیا اُس کو میں اس سے افضل عطا کرتا ہوں جو میں مانگنے والوں کو عطا کرتا ہوں“۔ (عن ابی سعید رضی اللہ عنہ)

(ترمذی)

پریشانی کے اس عالم میں

ہم قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب رجوع کیا جائے اور گھر میں رہتے ہوئے درج ذیل باتوں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے:

● اللہ کا ذکر، درود شریف کا ورد، استغفار اور دعاؤں کا اہتمام ● قرآن مجید سے تعلق یعنی تلاوت کرنا، آڈیو تلاوت سننا، ترجمہ پڑھنا اور تفسیر کا مطالعہ کرنا۔ حفظ قرآن کا اعادہ واضافہ۔ ● دینی کتب کا مطالعہ (خصوصاً سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ● آئندہ زندگی میں دینی ترقی کے لیے غور وفکر ● پڑوس اور رشتہ داروں (خاص طور پر عارضی مزدور پیشہ لوگوں) کا خیال۔

انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

کے

اغراض ومقاصد

- عربی زبان کی تعلیم وترویج
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب وتشویق
- علوم قرآنی کی نشر واشاعت
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم وتربیت جو قرآن مجید کی تعلیم وتعلّم کو اپنا مقصد زندگی بنالیں

اور ایک ایسی

قرآن اکیڈمی

کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرسکے

اَلسَّعْیُ مِنَّا وَ الْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہ

Vol 15
CPL No: FD 30/07
HIKMAT-E-BAALGHA
MAY 2021
No 05

ایک حقیقت ـــــــــــــــــ ایک تقاضا

پاکستان کا قیام اور لیلۃُ القدر

14 ؍اگست 1947ء بمطابق 27 ؍رمضان المبارک 1366ھ

پاکستان 14 ؍اگست 1947ء کو وجود میں آیا جس کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دی تھیں۔ لوگ پاکستان کے حق میں اسی لیے تھے کہ یہاں قرآن کا قانون ہوگا۔ ’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ‘ کا نعرہ اسی حقیقت کا آئینہ دار تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مطالبے کو منظور فرمالیا اور پاکستان عطا فرمادیا اور 13 اور 14 اگست کو رات بارہ بجے اعلان ہوا کہ یہ ریڈیو پاکستان ہے۔ کروڑوں لوگوں نے سنا۔ یہ رات 27 ویں رمضان المبارک 1366ھ تھی اور نزولِ قرآن کی رات تھی۔ یہ رات کتنی برکت والی ہے یہ ہر مسلمان جانتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن اور پاکستان کا رشتہ جوڑ دیا۔

آیئے اس رمضان المبارک میں 27 ویں شب (جب ختم قرآن ہو) کو آدھی رات کے وقت تھوڑی دیر پاکستان کے قیام یعنی ظالم مغربی استعمار سے آزادی کے حصول کا موقع سمجھ کر منائیں اور مطالبہ کریں کہ حکومت آئندہ یومِ آزادی ہر سال 14 ؍اگست کے ساتھ ساتھ 27 رمضان المبارک کو بھی منایا کرے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ لوگ تھوڑی دیر باوضو پاکستان زندہ باد کی آواز بلند کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور بھیگی آنکھوں کے ساتھ پاکستان میں نظامِ مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کے لیے دُعائیں کریں اور اس کے لیے تن من دھن لگادینے کا عہد کریں۔

جہاں جہاں ممکن ہو ہر شخص اپنے دفتر، کارخانہ، کام کی جگہ، سکول وغیرہ میں اس حقیقت کا اپنی حیثیت کے مطابق تذکرہ کرے اور دیگر مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرے تاکہ اہالیان پاکستان کے دلوں میں بالعموم لیلۃ القدر کے حوالے سے مذہبی جذبہ پیدا ہو اور مذہبی لوگوں میں ملک میں قرآن مجید کی تعلیمات اور احکام پر عمل درآمد کرنے اور اس کے نفاذ کا داعیہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ جلد پاکستان کو قرآن پاک کی برکت سے قرآن پاک کے احکام پر عمل کرنے والے لوگوں کی سرزمین بنادے، آمین۔